

# ہلکے پھولوں کی

(۴۳ تا اثراتی مضامین کا مجموعہ)

گھپ اندھیروں میں چمکے ہوئے اُن کی ہلکنو کی طرح  
میں نے پایا ہے جنہیں پھولوں کی خوشبو کی طرح

صلاح الدین نیسر

## تجملہ فتویٰ برقی مستفاد محفوظ رہے

تاریخ و سنی اشاعت	.....	۵ نومبر ۲۰۰۶ء
تعداد	.....	۵۰۰
قیمت	.....	۵۰ روپے
لاہور پری ایڈیشن	.....	۲۰۰ روپے
مکتبیت	.....	انور مسعود
طباعت	.....	اعجاز پرنٹنگ پریس چیمبرہ دار احمد آباد
ناشر	.....	صلاح الدین خیر

## مستفادین کے کاپیتے

- ▲ سیاست کا دستار میل - ہوا ہری ہرور وڈ - حیدر آباد - ع
- ▲ سٹانی بک ڈپو - چھوگر - حیدر آباد - ع
- ▲ نصف - کہکشان ۸۲/۷ - ۲۰ - ایلیٹی حیدر آباد - ع

## انتساب

”جس پھولوں کی“ کویر اپنے گلشن بے خزاں کے اُن بگماتے ہوئے  
 تاروں، چمکتے پنچھوئے غنچوں، شگفتہ اور نر و نازہ پھولوں (پوستے  
 اوپر بیوں) کے نام معنون کرتا ہوں تو صدف (بنت شمس الدین عارف)  
 ازار (فرزند منہاج الدین خضروی) منویر (بنت سراج الدین سلیم) سر  
 اور ندیم (فرزند ابی نعیم الدین پیر دین) کے نام سے موسوم ہیں جن میں سے  
 کچھ رنگین اور لڑکھڑانے کی منزل سے گزر رہے ہیں تو کچھ اپنے قدموں کی  
 رفتار کو تیز کر رہے ہیں جن کے قدم و ملائم قدموں کی آہٹوں سے میرے گھر  
 کے تمام گوشے روشن ہو رہے ہیں۔

سراج الدین منیر

## ترتیب و تزیین

مہکتا پھولوں کی ..... صلاح الدین نیسہ

مضامین



سید بلال شرم علی اختر ..... نامور دانشور۔ اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر

ڈاکٹر رفیعہ سلیمانہ ..... شہید اردو جانشین کی پہلی خاتون صدر

نامور ادیب و محقق

سید لے۔ و۔ سح ..... مندرجہ بالا اردو اسوسی ایشن اعلیٰ دماغ اعلیٰ

سید تراب الحسن ..... سکریٹریٹ کے قابل ترین اعلیٰ عہدہ دار

لے۔ وی۔ منا جاری ..... اردو و تحریک آبادی۔ آئی اے ایس آفیسر

ڈاکٹر شیریں سہوی ..... ہندو خاتون باوقار ادیبہ بہترین استاد

نسیم تراب الحسن ..... سلیم الطبع شریف النفس صاحب طرز قلم کار

محمد ظہیر الدین احمد ..... ماہر قبائلیہ اعلیٰ طرفہ۔ وسیع النظر شخص

ڈاکٹر لیلیٰ صلاح ..... مشرقی تہذیب کی نمائندہ خاتون، قابل

استاد و ادیبہ

ڈاکٹر حمیرہ جلیلی ..... باصلاحیت استاد، نامور محقق، گوشہ نشین

معتبر خاتون

علامہ اعجاز فرخ ..... مایہ ناز خطیب صاحب طرز ادیب شاعر

ڈاکٹر ایم۔ ع۔ فیض ..... ہمدردی کا پامروں انسان، بہترین ادیب



- جلیل پاشا ..... اردویتی عربی کے علمبردار و ان (دوا شخصیت) ۳۵
- افضل حسین ..... مثال دوست شریف النفس انسان ۷۹
- ڈاکٹر اندو و شمس ..... ہندو کی نامور شاعرہ ممتاز عثمانیہ ۸۲
- انجم قمر سوز ..... ممتاز شاعرہ ہل غزل کی رات کی کنوینٹر ۹۰
- فاطمہ نسیم ..... گل تازہ کی طرح جھکے وان شخصیت و شاعرہ ۹۳
- ڈاکٹر صابو سعید (رخا) ..... ہندو کی نامور شاعرہ ۹۹
- انیس قیوم فیاض ..... یاد دہان شاعرہ قمر بنی تحفہ شاعرہ انکار ۱۰۲
- گویت اکرن ..... اردو شاعرہ دستک آئیے بھائی ۱۰۴
- یوسف ناظم ..... نامور فرزند عثمانیہ ممتاز طنز و مزاح نگار ۱۰۷
- ابوالفیض محمد ..... خود شناس دیدہ و باد قادر انور ممتاز عثمانیہ ۱۱۵
- سعید بن حسن باغزال ..... جد میں حیدر آبادیوں کے لیے سامیان
- حسن حبیبی ..... بزم عثمانیہ جدہ کے سرپرست ۱۲۱
- عارف قریشی ..... تہذیبی مفیر قشاکو میں حیدر آباد کی پہچان ۱۲۶
- سفر آردو برائے جدہ (سودی عرب) ..... کار کرد فعال شخصیت ۱۳۲
- عبدالرحیم آزاد ..... ممتاز قانون دان نامور عمر معتبر شخصیت ۱۳۹
- وہاب عنایتی ..... فکر و آگہی کی شمع فروزا نامور ادیبی مقرر ۱۴۶
- حب کوثر ..... بہترین دو بات انسان نامور شاعرہ
- ناظم مشاعرہ ۱۵۳

..... مفرد شاعر ممتاز: صہبانی و مقرر: سیپکانا

• ڈاکٹر صفیرا عالم

..... ناشر عمر، صاحب اسلوب، بیہ شائبہ

پروفیسر فہیم ریاضی

..... جید آباد کے محفل شاعر قابل ستادارہ

سليم عابدی

..... خوشگوار ترین عزائم و ناظم مشاعر و خلیق

● جیل نظام آباد

..... افسانہ کے شاعروں کے میراثوں کا مطالعہ

اور صفائی

ثادرا لموي

..... زودگو کہنہ مشق نامور شاعر

رشد بسیار

..... غریب پروردگار داند انسان معاشرے کے خدا

داعتریزاق اثر

..... شاہ آبار کے نامور شاعر۔ مخلص انسان

پروفیسر عظیم گزنیو

..... تنویر فکر و خیال ز بین و ضلالت استاد و قلم کا

مذہب و احادی

..... مقبول شاعر بہترین دو ایجا انسا

عقيل اسعد

..... جدید و پختہ پسندیدہ سادہ  
رشتہ خالی اشتہار

• دفتار ریاض

... روسن چال۔ ہا سحور شاعر  
روز مزیا و عواہد کرنا کی باقیات

● ریاضہ بریکم  
نوروزی جگہ نشہ

سرگزین هم و سرای بیدار و با هم سازگار

پادشاه ایران

تہذیب و تمدن کی تاریخ

## دانشجویان پدری

..... قلندہ مفت کھنہ سنی استاد شاعر

## ٢٠ نورادیب

# فہک پھولوں کی

(۳۳ تا ۳۴ نثرانی مضامین کا مجموعہ)

فہک پھولوں کی میری ۲۷ ویں کتاب ہے اس کتاب سے پہلے میری اور مجھے سے متعلق ۶ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں کتاب "شعری مجموعے" بھی شامل ہیں۔ "فہک پھولوں کی" میں حیدر آباد افکار آءِ حجاز پر دلش افکار حیدر آباد کن، بیرون ریاست اور بیرون ملک میں مقیم ہندوؤں کے مختلف شعبوں کے خلق رکھنے والی یہ قیدیات ۳۴ شخصیتوں میں ۲۰ شخصیتیں ایسی شامل ہیں جن کا حیدر آباد سے تعلق ہے۔

نثرانی مضامین کے تحت رکھنے والی میری دو کتابیں سال گذشتہ شائع ہوئی ہیں۔ "خوشبو" سے بہاراں میں یہ قیدیات ۲۰ شخصیتوں پر مضامین شامل ہیں جو ۵ جون ۲۰۰۲ء کو شائع ہوئی اور "میں سو گئے" داستانِ نجات کہنے میں جو ادراکِ ماضی سے خلق رکھنے والی کتاب ہے ۲۱ مضامین موجود ہیں۔ کتاب یکم نومبر ۲۰۰۲ء کو شائع ہوئی۔ سالِ رواں جون ۲۰۰۲ء میں یہ قیدیات ۲۰ شخصیتوں پر میری ایک ضخیم کتاب "رشتی خوشبو" فہک کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اس طرح ان تین کتابوں میں ۱۱۱ شخصیتوں پر میرے  
 مضامین شریک ہیں ان تین کتابوں سے پہلے میں نے ”سلسلہ جہولوں کا“ (۱۹۹۲) ”بصر  
 وہی پر چھایاں“ (۱۹۹۳) اور ”کہکشاں“ (۱۹۹۶) کے لیے کچھ شخصیتوں پر مضامین  
 لکھے ہیں۔ میں نے ۱۹۹۸ میں ممتاز صافی جناب محبوب حسین جگر کی صافی فنی خدمات  
 پر ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب میں محبوب حسین جگر صاحب کی شخصیت اور ان کی  
 صافی فنی و تہذیبی خدمات کے علاوہ جناب علی خان اور روزنامہ سلسلہ کے بارے میں  
 بہت سی باتیں ضبطِ نحویر میں لائی ہیں۔ انشاء اللہ جنوری ۲۰۰۳ء میں اوراقِ ماضی سے  
 تعلق رکھنے والی شخصیتوں پر میرے ناشرانی مضامین کا مجموعہ ”خوشبو یادوں کی“  
 منظرِ عام پر آئے گا جس میں جید رہنما و اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع جید آباد کن  
 کی شخصیتیں شامل رہیں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری تمام کتابوں کو ادبی حلقوں میں  
 پذیرائی حاصل ہو چکی ہے۔ یقیناً ہے کہ صاحبانِ فکر و نظر اس کتاب کو بھی پسند کریں گے  
 جناب انور مسعود نے کافی تن دہی سے کتابت کی ہے جن کا ممنون ہوں۔ اعجاز پریس کے  
 جواں سال مالک۔ ایڈیٹر از محمد (فرزندِ نکلاں) سید نور محمد مرحوم اور ان کے چچا سید ممتاز محمد  
 کا بھی میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پوری توجہ کے ساتھ طباعت کی ذمہ داری کو پورا کیا  
 میں اپنے تمام اہل قلم و دستوں اور اپنے کرم فرماؤں کا ممنون ہوں کہ کئی  
 برسوں سے وہ میرے ادبی سفر میں قدم بہ قدم ساتھ ہیں۔

صلح الدین نیس

کہکشاں  
 ملے جلی۔ جید آباد

# سید ہاشم علی اختر

(نامور دانشور - اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر)

جس زمانے میں جناب سید ہاشم علی اختر انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ کے سکریٹری تھے تو اُس محکمہ میں میرے ایک دوست جناب بشیر انور اسٹنٹ سکشن آفیسر تھے جب ہاشم علی اختر صاحب سکریٹری کے ایک نئے محکمہ کا ڈائریکٹوریٹ میں سکریٹری بن گئے تو میرا سفارش پیر بشیر انور صاحب کو اپنے محکمہ میں لے لیا چونکہ وہ ایک نیا ڈپارٹمنٹ تھا اس لیے بشیر انور اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں وقت سے پہلے سکشن آفیسر ہو گئے۔ ہاشم علی اختر صاحب کی عنایتوں کا ایک اور واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ میرے ایک دوست محبوب احمد محکمہ روڈ اینڈ بلڈنگ میں اسٹنٹ انجینئر تھے محکمہ کی لائبریری کی وجہ سے اُن کے بیروشن کا کس مناشر ہو گیا تھا یہ مشکل تمام ان کا نام بیانیل میں شریک کیا گیا تھا بیانیل کی منظوری کے ایک رکن سکریٹری کا سر کے ایم احمد ہیں تھے جن سے سفارش کروانی تھی۔ میں محبوب احمد صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر ہاشم علی اختر صاحب کی قیادت میں (سری لنگر کالونی) پہنچا۔ محبوب احمد صاحب گھر میں باہنیں چاہتے تھے وہ باہر موٹر

میں بیٹھتا ہوں، حضرت صاحبِ دُرّائینک دم میں آئے باہر سے اور اپنے ساتھ لے  
 دُرّائینک روم میں لے گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا افطار کے بعد مجھے بھی ضایہ میں شہ  
 کیا گیا جب میں نے ان سے ملاقات کی وہ بتلائے اور کہا کہ میرے ایک دوست فلک  
 خدمتِ خزان کا شکار ہو چکے ہیں اگر آپ اسوں طوریہ عانت فرمائیں تو میں آپ  
 شکر گزار ہوں گا ہاشم صاحب نے فی الفور کچھ محمد صاحب کو فون کیا، اللہ  
 فضل سے سفارش کا کام لیا اور پورا کی سکو، مگر خود بہت جلد ہو گیا احمد  
 کو ترقی مانگئی، ہاشم علی اختر صاحب کے لئے بہت سواں کام تھا، انہوں نے دیر  
 ملازمت بہت سے متعلق اور ضرورت احمد صاحب کی مدد کی ہے ہاشم علی اختر  
 ہمیشہ مجھ سے خندہ پیشانی سے ملتا رہا، وہ دیر برائے شاعری سے بہت متاثر  
 ہیں، مجھے شہادت دیتے تھے کہ میں اپنا کلام ہندو رسم افطار دینا لکھی، میں شہادت  
 کر اور مجھ سے کہتے کہ میں قلم کا درد اور ہوشیاری سے ملاقات ڈاکٹر سلیم نجیر  
 ریاض کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے، ہاشم علی اختر صاحب نے بہت سی بیانات دار  
 فرض شناس یا محروم اور بہت سے کام لیا، علی اختر صاحب نے کئی بار درویش  
 پرانی شرافت کے گھر رہے، تنویر جی چھوٹے چھوٹے ہیں۔ سحر بیگم کی چلی، درویشات  
 کے چھوٹے درویش ہیں ہاشم علی اختر صاحب کا نام ہی سر پرست رہے گا۔ ہ  
 (ماخوذ از "مسلمہ چوں کا" ۱۹۶۲ء)

# پروفیسر رفیعہ سلطانہ

(شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی پہلی خاتون صدر، نامور اردو محقق)

پروفیسر رفیعہ سلطانہ کمبریج اعزاز حاصل ہے کہ وہ شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی پہلی صدر رہ چکی ہیں۔ ادھر کچھ برسوں میں پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے علاوہ ڈاکٹر زینت ساجدہ اور ڈاکٹر سیدہ جعفر چڑی قابلِ توجہ خاتون صدر شعبہ کے عہدہ پر فائز رہیں ڈاکٹر سیدہ الدین قادری زور، پروفیسر عبدالقادر سروری، ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر غلام عمر خان اور ڈاکٹر منحنی تبسم نے بھی شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کو شعبہ کی حیثیت سے عزت بخشی۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ جامعہ عثمانیہ کی ایک قابلِ استاد کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں۔ ان کے بیسیوں شاگردوں نے شعر و ادب کی دنیا میں اونچا نام کمایا جو اپنی استاد (رفیعہ آپا) کے طریقہ درس و تدریس کو خراج پیش کرتے رہتے ہیں۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے دور میں شعبہ اردو میں طلباء و طالبات کی فاحش تعداد تھی ان کے بعد کے دور سے تعداد گھٹتی چلی گئی۔ پروفیسر رفیعہ سلطانہ کی صحت

جب تک ان کا ساتھ دیتی رہی۔ علمی و ادبی تقاریب میں شرکت کیا کرتی تھیں انہوں نے اپنے دور میں شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ اور جامعہ سے ملحقہ کالجوں ادبی تقاریب میں حصہ لیا یہی تھیں شہر کی بڑی ادبی انجمنوں اور اداروں کے زیر اہتمام ہونے والے جلسوں میں شرکت کی بعض اوسط درجہ کی ادبی انجمن کو بھی اپنی بہترین خطابت سے نوازا۔ میں نے خاص طور پر انجمن ترقی اردو اور ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ادبی تقاریب میں ڈاکٹر صاحب کو حصہ لیتے ہوئے دیکھا ہے شہر کے بعض شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کی راجزاء تقریب میں شرکت کیا کرتی ہیں شہر کے مختلف معیاری علمی و ادبی اداروں سے وابستہ رہیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ شوہر اردو کی نامور استاد ہونے کے علاوہ اردو کی ایک مستند محقق بھی سمجھی جاتی ہیں فورٹ ولیم کالج سے پہلے اردو نثر کا ارتقاء ان کا بیڑا کا نام ہے ڈاکٹر صاحبہ کا شمار جدید ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے ان کے افسانوں کا مجموعہ ”کچے دھڑکے“ کس نام سے شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ ”فن اور فن کار“ ”اردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ“ ”کلمات احسان“ ”دکنی نثر پارے“ اور ”دودھ حیران محفل“ ڈاکٹر صاحبہ کی کتابیں ہیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ صاحبہ کی زیر نگرانی کئی طلباء و طالبات نے پی ایچ ڈی کے مقالے تحریر کیے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے اکثر ڈاکٹر صاحبہ کی معلومات آفریں تقاریب نشر ہوا کرتی تھیں۔ محفل خواتین کے عام جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسوں میں شرکت کر چکی ہیں۔ میں جب ۶۰/۱۹۵۹ء میں ریڈیو اردو کالج میں پی ایچ ڈی کیلئے



طالب علم تھا تو اس زمانے میں بھی انہوں نے بیسیوں ادبی تقاریب کو  
 مخاطب کیا تھا۔ مجھے اکثر ایسے ادبی جلسے یاد ہیں جن میں ڈاکٹر رفیعہ  
 سلطانہ نے شرکت کی اور اپنے معلومات آفریں خیالات سے حاضرین  
 محفل کو مستفید کیا۔ ۱۹۵۹/۶۰ میں شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کے علاوہ  
 جامعہ عثمانیہ سے محققہ کالجوں کی بین کلباتی تقاریب میں مدعو رہ کر قیام  
 ۱۹۶۰ میں شعبہ اردو ہمیش کالج کی صدر شعبہ تھیں۔ ڈاکٹر ثمنہ شوکت  
 شعبہ اردو میں پچھرتھیں اور بزم اردو کی مشیر بھی تھیں جن کی قیادت میں  
 کئی ادبی پروگرام ترتیب پائے۔ خاص طور پر بیت بازی کی ایک نمائندہ ٹیم  
 نے کافی نام کمایا۔ فاطمہ نسرن شعبہ اردو میں بی اے کی طالبہ تھیں اور صدر بزم  
 اردو بھی تھیں فاطمہ نسرن جب تک وہ ہمیش کالج میں رہیں انہوں نے اپنے  
 اساتذہ کی زیر سرپرستی وہ ہمیش کالج کی ادبی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ مجھے بھی  
 اپنے کالج کی ایک اہم تقریب میں مدعو کیا تھا ناماً کاجس کے صدور و معتمدین بھی  
 مدعو تھے۔ میں اس خاص تقریب میں اس وقت پہونچا جب تقریب ختم ہو گئی  
 تھی چائے نوشی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی بھرپور شخصیت کا اور ان کے  
 سرپرستانہ سلوک کو قریب سے محسوس کرنے کا مجھے اس وقت اتفاق ہوا۔ چائے  
 نوشی کے بعد تقریباً تمام اساتذہ اور طالبات جاچکے تھے سب سے آخر میں  
 جلنے والی استار پر وقیر رفیعہ سلطانہ تھیں انہوں نے جاتے ہوئے مجھے اور  
 فاطمہ نسرن کو وہمیش کالج کی بیڑ جیوں پر محو گفتگو دیکھا اس وقت سورج دن بھر  
 کی ٹھکن کے بعد مغرب کے دامن میں ڈوب رہا تھا شام کا وقت تھا ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

نے ہمیں دیکھا اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئیں۔ شام ہو رہی ہے گھر جائیے  
 تمام اساتذہ اور طالبات اور دیگر تہان جا چکے ہیں۔ میں اس وقت فاطمہ زہرا  
 کو اردو کالج کی سالانہ تقریبات میں مدعو کرنے کے سلسلے میں محو گفتگو تھیں۔ صبح  
 ہے کہ کافی دیر تک ہم محو گفتگو رہے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے سیرا نہیں مانا لیکن  
 ایک صدر شعبہ اردو ہونے کی وجہ سے یہ احساس دلایا کہ وہ کمین کالج کی شعبہ  
 اردو سے تعلق رکھنے والی طالبات کا وہ نگران و سرپرست ہیں۔ اس واقعہ  
 کو یہاں قلم بند کرنے کا یہ مقصد ہے کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ جیسی اردو کا اساتذہ  
 نہ صرف درس و تدریس کی حد تک ہی اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتی تھیں بلکہ  
 طلباء و طالبات کی بہترین تربیت بھی کرتی تھیں۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے  
 بے شمار شاگردوں نے نہ صرف علمی و ادبی دنیا میں ہی نام کمایا بلکہ ان کی اساتذہ  
 اور مستفغانہ تربیت سے بھی اپنی زندگی کو پُر نور بنالیا۔ اگرچہ میں ڈاکٹر  
 رفیعہ سلطانہ کا راست شناسا کر دہیں رہا لیکن ان کی علمی و ادبی خدمات سے میں  
 بڑی حد تک مستفید ہو چکا ہوں۔ میں نے کالج کی سرگرمیوں سے ہٹ کر شہر  
 کی بعض ادبی انجمنوں کے جلسوں میں انہیں رونق افروز ہوتے ہوئے دیکھا  
 ہے۔ ایسے شعری مجموعوں کی رسم اجراء تقریب میں انہیں نے اظہار خیال کی  
 زحمت دینا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے ہمیشہ میری درخواست کی پزیرائی کی  
 اور اپنی تشریف آوری سے مجھ سے متعلق ادبی مفاد کو بھی رونق بخشی۔ مجھے  
 یہ کہنے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے نہ صرف میری کتابوں کی  
 رسم اجراء تقریب میں شرکت کی بلکہ اپنے زرین خیالات سے نوازا۔ کسی جگہ



بہت ہی کم ایسے اساتذہ یاد رکھے جاتے ہیں جنہوں نے تعلیم و تشریفات اور درس و تدریس کے میدان میں خود بھی نام کمایا اور بہترین شاگردوں کو بھی روشن مستقبل کی طرف دیکھنے کی ترغیب دلائی۔ ۱۹۷۲ء میں جب پروفیسر احتشام حسین انجمن ترقی اردو کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے آئے تھے اس وقت اردو خیال میں منفقہ جلسے میں اس دور کے تمام اہم اساتذہ، طلباء اور اہل فن حضرات، خواتین نے شرکت کی تھی اس محفل میں مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی شرکت کی تھی اس دور میں جدید آباد میں خاص طور پر انجمن ترقی اردو اور ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام نمائندہ ادبی جلسے اور مشاعرے ہوا کرتے تھے اردو ہال کے اس اہم جلسے کے اختتام پر مجھے سید احتشام حسین صاحب سے نیاز حاصل ہوا اس وقت میں نے احتشام صاحب سے یہ عرض کیا تھا کہ آپ میرے دو مکمل مجموعہ کلام "زخموں کے گلاب" کے لیے دیباچہ لکھیں تو میری حوصلہ افزائی ہوگی اس وقت میرا پہلا مجموعہ کلام "محل تازہ" شائع ہو چکا تھا۔ پروفیسر احتشام حسین، صدر شعبہ اردو، اہل آباد یونیورسٹی تھے اور ایک متوازن نقاد کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں میں مشہور تھے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور ڈاکٹر سید احتشام حسین جیسے اساتذہ اردو اور ادیب و نقاد نے زبان و ادب کی بہت خدمت کی اور اب ایسے اساتذہ ہمتا ہوتے جا رہے ہیں۔ جہاں کہیں بھی بہترین اساتذہ اور اردو کے ادیبوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہاں پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر احتشام حسین، کلیم الدین احمد، پروفیسر مسعود حسین خان، پروفیسر گیان چند جین کے ساتھ ساتھ حیدر آباد کے ڈاکٹر سید علی الدین قادری، سرور، پروفیسر عبدالقادر سروری،

پروفیسر سید محمد، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حفیظ قنبل، ڈاکٹر عمر خان، ڈاکٹر  
 زینت ساجدہ، ڈاکٹر سیدہ جعفر اور ڈاکٹر مغنی تبسم وغیرہ کا نام بھی خصوصیت  
 کے ساتھ لیجئے ہیں اُس دور کے جامہ عثمانیہ سے محققہ کالجوں کے نامور اساتذہ  
 میں پروفیسر ابو ظفر عبد الواحد اور ڈاکٹر حسینی شاید بھی شامل تھے۔ قابل اساتذہ  
 ہر دور میں رہے ہیں لیکن یہ طلباء کے علم و ادب کے ذوق پر منحصر ہے کہ وہ  
 ان سے استفادہ کریں۔ جس طرح بے شمار دانشوروں اور اساتذہ میں  
 کچھ منتخب اساتذہ کا نام شہرت کا حامل ہے اسی طرح ہر دور کے بعض طلباء کے  
 نام بھی مشہور ہیں۔ قابل اساتذہ اور لائق طلباء ایک دوسرے پر فخر محسوس کرتے  
 ہیں سیاست اخبار حمید آباد کے بیہفت سے فلم کاروں کی تنہیر کا ذریعہ ثابت  
 ہوا۔ اس اخبار کے ذریعہ نہ صرف اساتذہ بلکہ ہونہار و قابل طلباء کے مضامین  
 بھی منظر عام پر آتے تھے۔ ان ۵۰ برسوں میں بے شمار اساتذہ اور طلباء جو فلم کار  
 بن گئے ہیں سیاست کے ذریعہ شہرت پائے۔ علمی و ادبی حلقوں میں ان کی ادبی  
 سرگرمیوں کا اظہار ہونے لگا۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے کئی مضامین اخبار سیاست  
 میں شائع ہو چکے ہیں ڈاکٹر صاحبہ کی سیاست میں تحریروں کی اشاعت کے علاوہ  
 سیاست کے زیر اہتمام ہونے والی ادبی سرگرمیوں میں بھی ڈاکٹر صاحبہ کی خدمات  
 حاصل کی گئیں۔ ۲۵ برس پہلے سیاست اخبار میں مختلف نوعیت کے ادبی مقابلے  
 ہوا کرتے تھے جن میں بہترین اشعار کا انتخاب ہوتا تھا بہترین اشعار کا انتخاب  
 کے سلسلے میں ایک اجلاس ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے حج کے فرائض انجام دیئے تھے  
 سیاست کا یہ ادبی شجر اقم الحروف سے متعلق تھا شہر کے تقریباً تمام مشاہیر اُدب

نے مختلف اطباسوں میں بیج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ ڈاکٹر  
رفیعہ سلطانہ جس ادبی مغل میں شرکت کرتی رہیں اُن کی خاطر خواہ پذیرا  
کی گئی۔ ادھر کچھ برسوں سے وہ صحت کی خرابی کی وجہ سے ادبی محفلوں میں  
شرکت نہیں کر رہی ہیں۔ لیکن اب بھی کئی طلباء ان کی خدمات سے استفادہ  
کر رہے ہیں۔ اچھے اور قابل اساتذہ کی بے سر خدمت رہیں یا نہ رہیں  
ان کی قابلیت سے ذہین و فطین طلباء و قلم کار مستفید ہوتے رہتے ہیں۔  
میں نہایت ذمہ داری اور دیانت داری سے یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ  
ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ میری ادبی مصروفیات کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ ان کی  
قابل شیعہ متوں کی ہمت افزائی نے میرے ادبی سفر کو ہمیز کیا ہے جن کا اثر  
ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔

# یس۔ اے۔ واسع

(صدر سکریٹریٹر انچارج ایجوکیشن، علی افسر)

جس وقت بنا رہیں اے واسع ملک میں ایسٹ سکریٹری  
 تھے تو میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ انہیں شعر و ادب سے کافی دلچسپی تھی میں ان  
 کی خواہش پر انہیں مختلف شاعر کا کلام پڑھنے کے لیے دیا کرتا تھا رفتہ رفتہ ہمارے  
 روابط بڑھنے لگے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ میرے حکم میں ڈپٹی سکریٹری کی  
 حیثیت سے آئے۔ پھر تو ملاقاتوں کا سلسلہ روانہ ہوتا گیا۔ ان کی غیر رسمی صحبت  
 میں کچھ ایسی بات تھی کہ بار بار ملنے کو ہی چاہتا تھا واسع صاحب صیفہ انظران  
 (اور پی) کے ڈپٹی سکریٹری نعمان کے تحت ملازمین کے بہت سے مسائل حل کر لیں  
 رہا کرتے تھے جیسے مختلف محکمات میں تعیناتی، پرموشن کیسز، رخصتیں، مکانات  
 اور موٹر سیکل کے قرضے جات وغیرہ۔ ان سے روابط کی بنیاد پر میں نے اپنے آفس  
 کے ساتھیوں کی بہت مدد کی۔ واسع صاحب میری ہر بات کا خیال رکھتے  
 تھے اس زمانے میں انھوں نے ایک ٹائپسٹ سٹرنر سہاراؤ نے اپنی بعض خاتمی  
 آغیوں کی وجہ سے ملازمت سے استعفیٰ دے دی تھی وہ مجھ سے اور میرے ساتھی خواجہ

بہاء الدین سے ملے اور تمہیں دیکھ کر کہہ گا کہ میں بہت پریشان ہوں اسحٰنی! آپس میں  
 ہوں میری مدد کیجئے۔ انوں نے اس کا صاحب سے صفائی کی اور ہونے لگا  
 منظور ہونے کے باوجود ان کو وہاں ملازمت میں لے لیا۔ آئندہ ٹائپسٹ بہر  
 ڈپارٹمنٹ میں اسٹیشن آفیسر بی واسطہ صاحب کا دور پر پناہ بیت راج رہا۔ غرض کہ  
 ایک سہرا دور تھا اس کے زمانے میں کسی بھی ملازم کی حق تلفی نہیں ہوئی۔ واسطہ صاحب  
 رکھ رکھاؤ بہترین ہو گا۔ دیرانیہ باوقار ایک لہجہ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے تھے  
 میں اعلیٰ آفیسر کو وہاں خوشبو سٹیشن مل قیاس جو ان کے عہدہ کیلئے ضروری سمجھی جاتی تھی  
 وہ ایک خوش مزاج اور خوش نظر عہدہ دار تھے۔ ان کی نیت سے بھی پسند کیے جاتے تھے۔ انہوں  
 ہمیں محسوس ہوا ہونے لگیں۔ دیکھو وہ ہمارے آئینہ ہیں خاص طور پر خواجہ بہار  
 اور مجھ سے وہ بہت مل کر گفتگو کرتے تھے۔ دو توں کی طرح اس وقت ان کی زبان  
 رنگ لائی جب ان کو دردمیں میں شریعتیہ خواجہ بہار الدین سے ملے۔ وہ بہت پر  
 نشہ و رنگ لائی جاتے تھے۔ ان کے واسطہ صاحب سے بہت مل کر گفتگو کرتے تھے۔ انہوں  
 کو کالیشن کے عہدہ پر ہوئے تو انہوں نے اس وقت اسٹیشن کے اعلیٰ محسوس اور خواجہ  
 ان کی دیکھنے والے تھے، بڑے بڑے پشیمانی ہوئے۔ سب کو یہ پتا تھا کہ ان کے پاس  
 ہر بندہ شام ہی کیا تھا جس کو یہی تہ تہ دیکھا تھا۔ ان کی سبکی کی ایسی فائز  
 شخصیتوں اور دو دوستوں کے ساتھ تھا۔ ان کے پاس ایک لکڑی کا کونڈا تھا  
 مثال کیے گئے ہیں جو ان روز بان وادیہ سے بہت کئے جاتے تھے۔  
 (ماخوذ "سلسلہ بچوں کا" ۱۹۹۳ء)



# سید ترائب الحسن

(سکرٹریٹ کے قابل ترین اعلیٰ عہدہ دار)

مجھے اپنی ملازمت کے دوران سکرٹریٹ میں بہت سے اعلیٰ عہدہ داروں سے سابقہ پڑا۔ اُن سے میرے دوستانہ مراسم بھی رہے ہیں۔ یہ سب کچھ میرے فیسر کے طے کرانے کا انداز ایک دوسرے کے اعلیٰ عہدہ داروں کے سبک کے سبب شائستگی، لہذب، بیوقوفانہ و فرسٹ کلاس تھے۔ یہاں سے ایسے بھی تھے جو اردو زبان و شعرو ادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ جنہیں تہذیبی روایات و اعلیٰ اقدار کا پاس تھا خاص طور پر اس طرح کے اعلیٰ آفیسر تلنگانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض دیگر آفیسر بھی اپنی روزمرہ زندگی اور انسانیت دوستی میں اپنی آپ مثال تھے۔ سکرٹریٹ میں اسٹاف سکرٹریز سے لے کر حیف سکرٹریز تک کے عہدہ داروں پر میری تحسین و توجہ رہی تھی۔ میں یہ طور خاص حیف بل آفیسر تھے جس نے قابل ترین کے عہدہ داروں کی حالت پر بدکردار آٹھ اعلیٰ عہدہ داروں کی غلام احمد مین کے کچھ ریسرچر ڈاکٹر محمد انیس الدین نے اے عزیز، خواجہ محمد اجمہ

صادق احمد، میسٹر احمد، رشید قریشی، سعد حسین سعد، دستگیر قریشی، نرنیدر  
حسن الدین احمد، خالد انصاری، اے کے گوہل، اے وی رمناجاری وغیرہ۔ ان  
آفیروں سے میرے مراسم کا ایک بڑا ذریعہ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن ہے  
ان تمام عہدہ داروں نے جن میں چیف سکریٹری بھی تھے پرنسپل سکریٹری بھی  
ڈپٹی سکریٹری بھی اور اسٹنٹ سکریٹری بھی۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن  
سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ تھے جناب یس لے قادر چیف سکریٹری اور  
رہے کچھ ہماری لال چیف سکریٹری سرپرست اسوسی ایشن تھے بھارت چند  
علامہ احمد۔ یس لے واسح، صادق احمد اور نواب حسن صدر اسوسی ایشن ہے  
ہم نے سکریٹریٹ میں باہمی تعاون سے سکریٹریٹ میں اردو کا بہترین ماحول  
نواب حسن صاحب، آئی اے ایس نے بھی صدر اسوسی ایشن کی حیثیت سے  
سکریٹریٹ اسوسی ایشن کی بڑی خدمت کی ہے نواب حسن صاحب نے  
پہلی ملاقات جگتیاں کے ایک کل ہند مشاعرہ میں ہونے جس کے وہ روح و  
تغھے نواب حسن صاحب اس زمانے میں تعلقہ جگتیاں لہور اور منسٹر مری رام پور  
کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اس مشاعرہ میں بیکل آئنا ہی اور ملک زادہ  
منظور نے بھی شرکت کی تھی۔ حیدر آباد سے ہم تمام شاعر بزرگوں کو شکر کا مشعر  
میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ جگتیاں سے ۱۰ میل پہلے ہمارا موٹر  
نواب ہو گئی، مشاعرہ کا وقت قریب آ رہا تھا، ایک سواری کا مسئلہ پیش  
آیا آخر کار ایک ایسی لاری ہمیں مل گئی جس میں کچھ دیر پہلے ہی کوئلہ انا  
گیا تھا لاری میں کوئلہ کے ریزر۔ کچھ دیر تھے اس کے باوجود ہمیں اس لاری

میں مقرر کیا گیا اس مشاعرہ کی صدارت سرزن ابن رامن آئی اسے ایس نے کی تھی جو بعد  
 میں چیف کلرک کے عہدہ پر فائز رہے نیز اب اس صاحب ایک حرکیاتی شخص کا  
 نام ہے نہایت ہمدرد، معتبر، دوست قسم کے انسان ہیں قلندر زائی ان کا ایک اہم  
 وصف ہے جیسا کہ احمد صاحب کو وظیفہ ہو گیا تو تیرا بس اس اڈیشنل اگر پچھرو روکیشن  
 کمشنر کو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا صدر بنایا گیا، سوک ایشن کی سرگرمیوں نحو  
 بیرونی اثرات کے سلسلے میں تیرا بس صاحب نے ہمیشہ اعانت کی کہ ہر ضرورت مند  
 ملازمین کی مدد کرنا ان کا وتیرہ تھا۔ اس وقت تک نامی ایک صاحب کو کسی ایک میں کوئی  
 شے دے کے کا تھا کہ اس شخص پر دیا گیا تھا وہ چہہ نگری میر و جومات کی بنیاد پر نہ ہوتی  
 تھی بلکہ ان کے چاہنے تھے۔ ان کا بیان تھا کہ ان کے والدہ بیمار تھیں وہ  
 انہیں پیو کر مریخ پر نہیں ہٹ سکتے تھے۔ اس لیے چاہیے کہ ان کو پیو کر  
 سفوف پر مریخ سے نہیں لے آئے کہ باہر سے ہیں سنا چکے کہ آپ انسان ہوا ہوتا  
 کی بنیاد پر ہر وقت امداد، فحاشی، بیا کرتے ہیں۔ یہ سنا اس شخص کی ساراں  
 باتیں تھیں اس کو نہ دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر  
 کھڑا اور ٹون پر اس پریشان حال شخص کی مدد کرنے کی خواہش تھی چہہ  
 دنوں کے بعد وہ صاحب ٹھٹھا کا ڈبہ لے کر میرے ہاں سکریٹریٹ آئے۔ میں  
 نے دیکھا کہ اس وقت ان کی آنکھوں میں اٹھتا نہ کر کے آئے تھے۔  
 (کچھ حصہ ماخوذ "سلسلہ یوں کا" ۱۹۹۲ء)

# وینکٹ رمنا چاری

(اردو دوست - حیدر آبادی آئی اے ایس آفیسر)

میں جناب وینکٹ رمنا چاری کی سماجی، فلاحی، تہذیبی اور سرگرمیوں سے اُس وقت سے واقف ہوں جبکہ وہ ایڈمنسٹریٹو فنی قطعہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی حیثیت سے خاص طور پر رہنے شہر میں شہرت و مقبولیت حاصل کر چکے تھے جب تک بعض پروگرامس میں ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع تو میرے خیالات کی تصدیق ہو گئی پتہ نہیں انہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ مشاعرے اور تہذیبی پروگرامس کے سلسلے میں مجھ سے تعاون حاصل کیا کریں۔

رمنا چاری فنی قطب شاہ آڈیٹوریم کے افتتاح کے موقع پر تہذیبی پروگرام کے ساتھ ساتھ مشاعرہ بھی منعقد کرنا چاہتے تھے۔ ایک ن سکرینری فنی قطہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی جناب نالج البین نے فون پر بتایا کہ رمنا چاری صاحبہ مجھ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ فنی قطب شاہ آڈیٹوریم کی افتتاحی تقریب کے موقع پر ایک شاندار مشاعرہ کا اہتمام ہو۔ رمنا چاری صاحبہ سے فون پر گفتگو رہی۔ جناب بدیع النبیان مدیر سنیاس کی حیدر آباد میں

مشاعر پہاڑی پر مشاعرہ منعقد ہوا جس میں تقریباً (۳۰) شاعروں نے کلام سنایا تھا۔ ان تمام شاعروں کو قلی قطب شاہ ارین ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی جانب سے نشان اور ہائی جاکر سٹائن کیا گیا۔ رہنما چاری صاحب سے میری دو ملاقاتیں جشن گوگندہ سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ کے انتظامات کے سلسلے میں قلی قطب شاہ ایڈیٹریم میں ہوئی، اُس وقت جناب عابد علیجان صاحب، محبوب حسین جگر صاحب اور ڈاکٹر مومن لال نجم بھی موجود تھے میں نے محسوس کیا کہ انہیں حیدرآباد کی تہذیب اور اردو زبان سے کافی دلچسپی ہے۔ جب رہنما چاری صاحب ڈپٹی سکریٹری میونسپل ایڈمنسٹریشن کی حیثیت سے سکریٹریٹ آئے تو ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھنے لگا اس زمانے میں اولڈ سٹی پوٹھ فیوٹول منعقد ہوئی والا تھا۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی و اس چالسز تنگو یونیورسٹی کے مشورہ سے مجھے پوٹھ فیوٹول کا سکریٹری نامزد کیا گیا۔ میں نے ان کے اعتماد کو بے قرار رکھتے ہوئے شبِ غفلت اور مشاعرہ کے انعقاد کی ذمہ داری قبول کی۔ جناب خواجہ بہار الدین شنب غزل اور تہذیبی پروگرام کے کنوینر بنائے گئے میسرز ہنیال سنگھ ورما اور رئیس اختر کنوینر مشاعرہ اور ڈاکٹر صادق نقوی سیکرٹری کے کنوینر مقرر ہوئے۔ مشاعرہ میں اردو ہندی کے زائد (۳۰) شاعروں نے کلام سنایا تھا یہ گنگا جمنی مشاعرہ نہایت کامیاب مشاعرہ میں شعراء کو نومٹو پیش کیے گئے اور سٹائن کے طور پر نشان اور ہائی گئی۔ میں نے لسانی ہم آہنگی کاشتوت دینے ہوئے اردو شاعروں کو دعوتِ سخن دینے کے لیے ہنیال سنگھ ورما کو اور ہندی شاعروں کو رحمت کلام دینے کے لیے رئیس اختر سے درخواست کی تھی یہ گنگا جمنی مشاعرہ نہایت کامیاب رہا مفیدی اعتبار سے بھی

اورسانی اعتبار سے بھی۔ مقرر مناجاری اردو شعروادب کی سرگرمیوں اور انہما  
 پر دیگر اس کے انفراد کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں جبکہ وہ ڈائریکٹ  
 امور میں گئے ہیں ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا ہے انہیں مجھ پر اس قدر  
 اگلی ہے کہ بعض پروگرام اس میری ذمہ داری پر پہلے طے کرتے ہیں اور بعد  
 اس کی اطلاع دیتے ہیں، ماہ مئی میں دلی میں محکمہ تہذیبی امور کی جانب سے  
 پروگرام طے کیا گیا اور یہاں سے (۸ افرکاروں) کو دلی بھیجا گیا پروگرام کے  
 خواجہ بہاء الدین تھے انکی قیادت میں تمام فنکار دلی پہنچے اور شاندار پروگرام پیش  
 رہنا چاری صاحب کی خواہش پر ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے زیر اہتمام بہ  
 محکمہ تہذیبی امور، محکمہ اطلاعات عامہ اعلیٰ پیمانے پر ماہ مئی ۱۹۹۱ء میں مال  
 پولیس میں اردو ہندی کا ملا جل قوی یکجہتی مشاعرہ منعقد کیا گیا اس مشاعرہ  
 میں شاعروں کا سنان کیا جا کر شاعروں کو شان اوڑھائی گئی۔ اس مشاعرہ  
 ۳۵ شاعروں نے کلام سنایا تھا مقرر مناجاری علامہ ملک گانہ سے تعلق رکھنے والا  
 فرقہ شناس دوست نواز اور باصلاحیت جوان سال عہدہ دار ہیں۔ محکمہ ذمہ  
 امور کا جائزہ لینے کے بعد وہ بہتر سے بہتر پروگرام اس کی پیشین کشی کے لیے کوشا  
 ہیں۔ رہنا چاری صاحب سے میرے دو سنانہ مراکم ہیں۔ میں ان کے مزاج  
 شناسی، طبیعت کی نفاست اور ان کے خلعانہ رویہ سے یہ حلافتاثر ہوا  
 (ماخوذ از "سلسلہ پھولوں کا" ۲۱۹۹۲)

## ڈاکٹر رشید موسوی

(مہذب خاتون - باوقار ادیبہ - بہترین استاد)

وہ لوگ جن کا تعلق علمی و ادبی گھرانے سے ہوتا ہے ان کی علمی خدمات کی روشنی میں ان کی شخصیت کی خوشبو معاشرہ میں کچھ اس طرح پھیل جاتی ہے کہ علمی ماحول میں سر و تازگی محسوس ہونے لگتی ہے تہذیب یافتہ شخصیتیں نہ صرف اپنی گفتگو، اپنے لب و لہجہ اپنے اندازِ مخاطب اور اپنی طرزِ حیات سے اپنے شانہ و معتبر ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہیں بلکہ ان کا دکھ رکھاؤ، ان کی اپنائیت اور ان کا خلوص اور ان کا شگفتہ طریقہ زندگی بھی قابلِ تحسین و لائقِ تقلید ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر بامراد کامران و کامیاب رہتے ہیں۔ ان کی زندگی صبح و شام کی خوشگوار ساعتوں سے غطر بہتر رہتی ہے۔ لوگ ان کی شرافت، ان کے خلوص، ان کی شائستگی، ان کے باطن اور ان کی وضع دار کو خراجِ پیش کرتے رہتے ہیں اپنے ایک مخصوص تصبیح اور مخصوص نقطہ نظر اور ایک خاص طرزِ حیات کو اپنانے والے لوگ تا عمر خوش

رہتے ہیں۔ زندگی کا چاہے کوئی بھی مسئلہ ہو وہ کسی بھی انداز سے کمبوں نہ  
 پذیر ہو۔ سلیقے کے ساتھ سلجھاتے ہیں۔ ہمارے شہر میں روشن دماغ دل پر  
 اور فکر و خیال کو تازگی بخشنے والوں کی ہر دور میں اہمیت رہی ہے با  
 اور با صلاحیت لوگ زندگی کے ہر شعبہ میں مل جاتے ہیں لیکن کثرت میں وہا  
 کی بات بھی سمجھ اور سمجھتی ہے۔ بالمشورہ و توجہوں میں کچھ زیادہ باشعور  
 بھی شخصیتیں رہتی ہیں جن کے وجود کا احساس صرف چند مخصوص حلقوں میں ہا  
 کرتا ہے مشاہدات و تجربات سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کچھ لوگ  
 اپنی صلاحیتوں کے اظہار میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ اپنی صلاحیتوں سے پورا  
 فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اس طرح کے لوگوں میں صرف حضرات ہی نہیں خوا  
 بھی ہیں۔ کچھ لوگ اپنی زندگی میں ناقابل فراموش کارناموں کی وجہ سے یاد  
 جاتے ہیں جن کی وجہ معاشرہ ان کی شخصیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہمارا  
 شہر میں حضرات کے ساتھ ساتھ ڈو آئین بھی علمی و ادبی تہذیبی و ثقافتی  
 سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی ہیں آج بھی مختلف قسم کے فنون لطیفہ سے وا  
 ہو کر جمیل الفروضات انجام دے رہی ہیں جبر و بادی میں کچھ اہل قلم خوا  
 ایسی بھی ہیں جو اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کو منظر عام پر لانے کے لیے ضرورت  
 رہا کرتی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جو خاموشی سے اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں  
 بعض اہل قلم خواہین مسلسل دینی، علمی و ادبی سرگرمیوں کے سبب شہرت  
 رکھتی ہیں تو بعض بہت کم اپنے قلم اور اپنی زبان سے کام لیتی ہیں لیکن ا  
 کی شہرت باقی رہتی ہے اس زمرہ سے تعلق رکھنے والی ادیبہ ڈاکٹر فزیدہ مونسو



نے بھی اپنی طالب علمی اور شیعہ درس و تدریس سے وابستہ ہوتے کے بعد ادبی و  
تہذیبی سرگرمیوں کو اس انداز سے رونق بخشی کہ ان کا تذکرہ آج بھی ادبی  
محفلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ شہر کا ادبی حلقہ ڈاکٹر رشید موسوی کی ادبی و علمی  
صلاحیتوں سے واقف ہے اگرچہ وہ ادبی محفلوں میں بہت کم شریک ہوتی  
ہیں بلکہ بدلتی ہی نہیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی صاحبہ جاسعہ عثمانیہ کی ایک نیا  
طالبہ رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ طنز و مزاح کے ممتاز شاعر تھا اللہ صاحب کی شریک  
حیات ہیں ڈاکٹر رشید موسوی بھی زندہ دلان حیدر آباد کے ان ابتدائی  
ارکان میں شامل ہیں جنھوں نے زندہ دلان حیدر آباد کی ترقی و ترویج میں  
کافی دلچسپی لی۔ فائن آرٹس اکیڈمی کی بھی رکن ہیں۔ چونکہ میں بھی زندہ دلان  
حیدر آباد کا ابتدائی اراکین میں سے ہوں اس لیے اپنی واقفیت کی بناء پر  
کہنے کے موقف میں ہوں کہ زندہ دلان حیدر آباد کے خصوصی اجلاسوں میں  
ڈاکٹر صاحبہ کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر رشید موسوی بہت کم بولتی  
ہیں کم گو ہیں لیکن اپنے بہترین مشوروں سے زندہ دلان حیدر آباد کی سرگرمیوں  
کو فروغ دینے میں معاون رہیں۔ وقت کی پابنداریہ ہیں ڈاکٹر صاحبہ  
اہل قلم حضرات و خواتین میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں ڈاکٹر موسوی  
حیدر آباد کی ایک مشہور و معروف خواتین کی محفل، محفل خواتین سے بھی اپنا قلمی  
رشتہ رکھتی ہیں محفل خواتین کے بعض جلسوں میں شرکت کر چکی ہیں محفل خواتین  
کے سالانہ ادبی میگزین میں ان کی تحریریں شامل ہوتی رہی ہیں روزنامہ  
سیاست میں بھی ان کے خاص ادبی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں خشک

میں طنز و مزاح سے متعلق رکھنے والے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ڈاکٹر رشید موسوی جس زمانے میں وینکٹا راماریڈی ویمینس کانج میں صدر شعبہ اردو تھیں ایسا شاندار و یادگار مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں شہر کے نامندہ شعروں نے شرکت کی تھی۔ ناصر کرتونی اور میں نے بھی شرکت کی تھی میری شاندار زندگی میں دینتا ہما و دیالیہ کے یادگار مشاعرہ کی طرح ریڈی کانج کا بھی مشاعرہ تھا جس میں صرف اساتذہ اور طالبات شریک تھیں۔ شہر کے دوسرے کالجوں میں بھی مشاعرے ہوتے رہے ہیں لیکن ریڈی کانج کی سرگرمیاں کچھ کم عروج پر نہیں تھیں۔ ریڈی کانج کی طالبات کو میں نے مختلف ادبی مقابلوں میں حصہ لیتے ہوئے اور کامیاب ہوتے دیکھا ہے ڈاکٹر رشید موسوی کی شخصی دلچسپی کی سبب سے طالبات کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھتی تھی ڈاکٹر صاحبہ کے کانج میں سلی اینڈ گرائی بی اردو کی پچھریں تھیں جو ہمیشہ ریڈی کانج کے ادبی جلسوں اور مشاعروں میں دلچسپی لیتی رہیں جمائین اللہ صاحبہ ڈاکٹر رشید موسوی کی شادی ہونے کے بعد بھی وہ ادبی جلسوں میں شرکت کیا کرتی تھیں اب بہت کم شرکت کرتی ہیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی سے میری پہلی ملاقات ویمینس کانج کے مشاعرہ میں ہوئی تھی آننا بھیا دہے شاید کسی اور مشاعرہ میں بھی ملاقات ہوئی ہوگی۔ زندہ دلان حیدر آباد کے اجلاسوں میں بھی ملاقات ہوئی رہی۔ کبھی ادبی جلسوں میں وہ موجود رہیں تو علیک سلیکسا ہو جاتی ہے چھاب حمایت اللہ سے اکثر فون پر گفتگو ہوتی رہتی ہے کبھی کبھی ڈاکٹر رشید موسوی سے بھی فون پر گفتگو ہو جاتی ہے ڈاکٹر رشید موسوی نہایت باوقار و محترم

خانوں میں حمایت الہیہ اور ڈاکٹر شبید موسوی چلے گئے اور چاہے جانے والے  
 میاں بیوی ہیں ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں دونوں کے مزاج  
 میں ہم آہنگی ہے نہایت پُر سکون زندگی گزار رہے ہیں حمایت الہیہ صاحب  
 اعلیٰ صلاحیتوں، اعلیٰ کردار، بے مثال خلوص و مروت کی ایک ایسی علامت  
 ہیں جس کی روشنی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے ڈاکٹر موسوی عابد علی خان  
 صاحب کی رہائش گاہ پر منعقدہ بعض ادبی و شعری محفلوں میں شرکت کر چکی  
 ہیں شبیدہ بانو اور عزیز وارثی کے پیروگراموں میں بھی شرکت کی ہے فیض  
 احمد فیض اور اس طرح کے مشاہیر اُدو کو مدعو کیے جانے کے موقع پر ڈاکٹر  
 صاحبہ کو بھی مدعو کیا جاتا رہا ہے حمایت الہیہ صاحب اس طرح کی محفلوں کے  
 انعقاد میں عابد علی خان صاحب سے بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر  
 موسوی شعر و ادب کی محفلوں میں بہت کم شرکت کرتی ہیں لیکن جب آبار  
 کے تقریباً تمام نامور قلم کاروں سے واقف ہیں چونکہ ڈاکٹر رشید موسوی  
 شعر و ادب کی دنیا سے بالے خبر نہیں ہیں اس لیے ہر اچھے قلم کار کے بارے میں  
 ان کے تاثرات لیتے ہیں ڈاکٹر موسوی کی تحریروں میں بے ساختگی ہے زبان و  
 بیان کا خاص خیال رکھتی ہیں ان کی بعض تحریروں میں ادبِ عالیہ کا ایک حصہ سمجھی  
 جاتی ہیں ان کا نثری لب و لہجہ سادہ و فاری کو متاثر کرتا ہے ڈاکٹر صاحبہ  
 شہر کی بعض میجاری اجتماعات سے وابستہ ہیں نام و نمود سے بہت دور رہتی  
 ہیں محتاط روی، سلیف شعاری اور کم آمیزی کو ترجیح دیتی ہیں ڈاکٹر رشید  
 موسوی کا قلم اگرچہ ان دنوں رواں دواں نہیں ہے لیکن اس سے کچھ زیادہ

فرق نہیں پڑتا کہ ان کے طالب علمی کی پُر وقار ادبی سرگرمیوں اور اسناد  
 حیثیت سے ان کی شعری و ادبی مصروفیات کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔  
 ڈاکٹر رشید موسوی ۹ جولائی ۱۹۳۲ء کو حیدرآباد کے علمی و ادبی گھرانے میں  
 ہوئے۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے گریجویٹ اسکول نامپلی سے میٹرک کامیاب  
 کیا۔ وہمیں کالج سے بی اے اور آئرس کالج جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا۔  
 سال اول میں بزم اردو کی معتمد تھیں۔ بی اے سال دوم میں بزم اردو کی  
 میں شام غزل، مشاعرہ، یوم غالب، بیت بازی اور تقریری و نثر  
 مقابلے منعقد کروائے۔ تقریری، نثریری، بیت بازی کے مقابلوں  
 میں حصہ لیا اور انجام بھی حاصل کیا۔ آئرس کالج میں ایم اے فائنل میں  
 بزم اردو تھیں۔ آئرس کالج جامعہ عثمانیہ میں اردو کی سرگرمیوں کے فروغ  
 ڈاکٹر رشید موسوی کا خاص حصہ رہا ہے۔ پہلے یوم محمد قلی قطب شاہ  
 ٹیبلو پیش کیے تھے۔ بہ حیثیت طالب علم ہیئت ازباده سرگرم عمل رہے  
 کالج میگزین میں پابندی کے ساتھ مرفعا بین شائع ہوتے تھے۔ بین اکیڈ  
 تقریری مقابلوں میں کئی اخلاعات حاصل کیے۔ بہ حیثیت لکچرر ریڈی  
 میں بے شمار مشاعرے کروائے۔ قراق، مخدوم، شاید صدیقی، راہی صہ  
 رضا اور بہت بڑی بڑی علمی و ادبی شخصیتوں کو کالج میں جلسے منعقد  
 کروا کر مدعو کیا۔ مزاجیہ محفل ادب اور مشاعرہ بھی کروایا۔ جس میں ورا  
 ہیو مرل کا نفرین میں آئے ہوئے کئی شاعروں و ادیبوں کو مدعو کیا۔  
 دُنڈا نے بھی کالج کے مشاعروں میں کلام سنایا۔ ممتاز مزاح نگار بھارت چندک

اور جناب سرنیدر بوتھر بھی کئی بار کاٹھ سے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں اردو پھر رہے ہوئیں۔ امتیازی حیثیت سے بدلے پاس کیا۔ درجہ اول میں ایم اے کا بیاب کیا۔ مرتبہ اور عزاداری (۱۹۵۷ء - ۱۹۵۷ء) کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ۱۹۶۳ء میں ڈگری لی۔ ملک کی کئی اردو اکیڈمیوں نے ان کی کتابوں کو ایوارڈ دیئے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مرتبہ اور عزاداری (۳) کاغذی سیرین (۳) مزاجہ نظلیں اور غزلیں۔ اردو اکیڈمی یوپی اور اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے ان کی کتابوں کو انعامات سے نوازا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے دہلی کتب بھی مرتب کیئے ہیں حکومت آندھرا پردیش نے ۱۹۹۱/۹۲ء میں بسٹ پیپر ایوارڈ سے نوازا ڈاکٹر صاحبہ شہر کی علی وادلی انجمنوں سے وابستہ رہی ہیں۔ سبھارک اور سمپوزیمس میں حصہ لے چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کی رکن بھی رہی ہیں انجمن ترقی اردو، زندہ دلاں حیدر آباد، فائن آرٹس اکیڈمی سے وابستہ ہیں۔ آئی انڈیا ریڈیو سے بیسیوں پروگرام دیئے چکی ہیں دور رس سے بھی پروگرام پیش کر چکی ہیں بعض شخصیتوں کے علی وادلی کارنامے کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ اردو معاشرہ ان کا مہونہ منت رہا کرتا ہے۔ میں ڈاکٹر رشید موسوی کی شخصیت اور ان کی خاموش ادبی سرگرمیوں کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ خراج پیش کرتا ہوں۔

# نیمہ شراب الحسن

(سلیم الطبع - شریف النفس - صاحب طرز قلم کار)

حیدر آباد میں زبان و ادب کی خدمت کرنے والوں میں جہاں مرد فن کاروں کی بھنات ہے وہیں خاتون اہل قلم کی بھی کمی نہیں ہے آج بھی حیدر آباد میں مختلف علوم و فنون سے دلچسپی رکھنے والی ایسی قلم کار خواتین موجود ہیں جن کی ادبی و شعری خدمات کے کافی چرچے ہیں۔ کچھ تو ایسی قلم کار ہیں جو شعری و ادبی محفلوں میں سرگرم شہل ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو اپنی قلم آمیزی کی وجہ سے شعروادب کی محفلوں سے زیادہ قربت نہیں رکھتیں لیکن جہاں تک ان کی خدمات کا تعلق ہے ان کا ادبی سفر جاری ہے جو اپنی بہترین تحریروں اور عمدہ شاعری سے نوازتی رہتی ہیں۔ ادبی گھریلو مصروفیات کو نہایت سلیقے سے انجام دیتی ہوئیں قرطاس و قلم کی دنیا میں بھی اپنی نیراداد صلاحیت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ نام و نمود کا پروا کیے بغیر اپنے قلم کی پرورش کر رہی ہیں اس طرح کی ایک صاحب طرز

جلیم الطبع، وضع دار، ہندب خاتون نسیم نرالیہ حسن بھی ہیں جن کی تحریریں غریبوں کی ہمدردی کا سہارا بن گئیں، خوشبو کا سفر اور شگوفہ میں بھی شائع ہوئی رہتی ہیں کسی زمانے میں سلیمان اریب کی ادارت میں شائع ہونے والے منفرد ادبی رسالے ماہنامہ صبا میں بھی ان کے مضامین شائع ہو کر نکلے۔ میں نے نسیم نرالیہ حسن صاحبہ کا ایک مضمون ادبی رسالوں میں سب سے پہلے صبا میں پڑھا تھا نسیم نرالیہ حسن صاحبہ منتخب علمی و ادبی و تہذیبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں۔ محفل خواتین کی رکن ہیں۔ ان کی تحریروں اور شاعری سے اہل محفل محفوظ ہو کر رہتے ہیں نسیم صاحبہ کے مضامین (خاکے، انشائیے وغیرہ) پیراثر ہوتے ہیں زبان و بیان کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ ان کی تحریریں، صاحبان علم و دانش سے خراج حاصل کر چکی ہیں۔ تقریباً ۳۵ برس سے ان کا فکری سفر جاہ طلب سے حیدر آباد کے علمی و ادبی گھرانے کی بہو ہیں۔ جناب سید نرالیہ حسن (اُمّی اے ایں) سابق کمشنر اوقاف (سکرٹریٹ) کی شریک حیات ہیں۔ ادبی جلسوں میں اکثر دونوں ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ نسیم نرالیہ حسن شاعرہ بھی ہیں غنہ لیس بھی کہتی ہیں نعین، سلام اور منفیت بھی۔ عام محفلوں میں بہت کم اپنا کلام سناتی ہیں البتہ محفل خواتین کے ہر مشاعرہ میں حصہ لیتی ہیں۔ اپنے بیشتر مضامین محفل خواتین میں پیرا چکی ہیں ان کی شاعری کلاسیکی شعری ادب سے گہرا رشتہ رکھتی ہے۔ ان کا شاعرانہ لب و لہجہ، تشبیہ و تشکلف اور پیراثر ہے شعر غنم میں سناتی ہیں۔ مجھ سے بھی کبھی مشورہ سمن کیا کرتی

ہیں۔ ان کے شوہر محترم تراب الحسن صاحب سے میرے دبیرینہ مراسم ہیں۔  
 تراب صاحب سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے تفریق بنیادس برس تک صدر  
 نشین رہے جبکہ میں بانی جنرل سکرٹری تھا۔ تراب صاحب کی خدمات  
 اسوسی ایشن کی بہترین سرگرمیوں کے لئے ہمیشہ معاون رہیں۔ تراب صاحب  
 بھی یہ ذات خود نہایت شریف النفس انسان ہیں نہایت شکستہ  
 سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک ہیں شعری، ادبی و تہذیبی محفلوں میں ان  
 کی موجودگی سے محفل کے رنگ و روپ میں اضافہ ہوتا ہے۔ نہایت  
 مہذب، آداب محفل کو محفوظ رکھنے والی شخصیت ہیں نہایت سادہ  
 طبیعت، مسکراتے ہوئے اپنی شام و سحر کے لمحوں کو ذرا فشاں بنا دیتے  
 ہیں۔ تراب صاحب نہ تو شعریں اور نہ ہی ادیب۔ لیکن انہیں  
 شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق ہے یا رباش، محفل کے آدمی ہیں۔ نیمہ  
 تراب الحسن کی ازدواجی زندگی نہایت کامیاب اور چھوٹوں میں تلنے  
 والی ہے۔ نہایت مطمئن زندگی گزار رہے ہیں نیمہ تراب الحسن مشہور و  
 معروف سبشن جج جناب غلام بیچمن کی بہویں ان کے بڑے جیٹھ  
 عالمی شہرت یافتہ شخصیت علی بیچمن صاحب سابق سفیر امریکہ ہیں۔  
 نیمہ تراب الحسن حیدر آباد کی ادبی محفلوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی  
 جاتی ہیں۔ ان کی شائستہ مزاجی نے ان کی شخصیت کو پروان چڑھا دیا  
 ہے۔ اگر کسی محفل میں شرکت کرنی ہو تو وقت پر آتی ہیں اور محفل کے  
 اختتام تک شریک رہتی ہیں۔ آداب محفل سے پوری طرح واقف ہیں



محفل خوانین سے وابستہ تمام خاتون ادیبوں اور شاعرات سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ نہایت سادہ طبیعت اور منکسر المزاج ہیں۔  
 نسیم صاحبہ کی تحریریں اردو ادیب میں محفوظ رہنے والی تحریریں ہیں۔  
 ان کے مضامین کافی توجہ کے ساتھ سنے اور پڑھے جاتے ہیں حمید رباب کو یہ فخر حاصل ہے کہ نسیم تراب الحسن جیسی لائق و فائق خاتون ادیبہ اپنے رشتہاتِ قلم سے دامنِ شمع و ادب کو سرسبز و شاداب کرنے میں مصروف ہیں نسیم تراب الحسن کا تھال گوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا ممکن ہے کہ بہت جلد شائع ہوگا۔ سیاست اخبار میں ان کے مضامین مختلف موضوعات پر اشاعت پذیر ہوتے ہیں کبھی کبھی ان کا کلام بھی شائع ہوتا ہے نسیم تراب الحسن سے میں ان کی تحریروں کی وساطت سے واقف ہوا جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ان کا مہنون میں نے کئی برس پہلے ”صبا“ میں پڑھا تھا۔ ان سے میری شخصی ملاقات ادبی جلسوں کی معرفت ہوئی۔  
 تراب الحسن صاحبہ کے ہمراہ وہ محفلوں میں شریک رہا کرتی ہیں نسیم صاحبہ سے زیادہ ترفون پر بات ہوتی ہے تراب صاحبہ سے گفتگو کے لئے فون پر پہلا رابطہ نسیم صاحبہ سے رہتا ہے سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے سلسلے میں تراب صاحبہ سے اکثر و بیشتر فون پر گفتگو ہوا کرتی تھی نسیم صاحبہ ایوانِ اردو کی محفلوں میں بھی شریک رہتی ہیں بلکہ بعض جلسوں میں انہوں نے اپنے مضامین بھی پڑھے ہیں۔ اردو ماں میں ہونے والی انجمن ترقی اردو کی محفلوں میں بھی شریک رہا کرتی ہیں نسیم صاحبہ ادارہ

بیرا شہر بہت لوگ کی محفلوں میں بھی شرکت کیا کرتی ہیں۔ بانی محفل خولیتہ محترمہ عظمت عبد القیوم کی یاد میں ہر سال منائی جانے والی ادبی تقریب پر لازماً شرکت کرتی ہیں نثر اب الحسن صاحب بھی ان کے ہمراہ رہتے ہیں۔ یاد رہے عظمت عبد القیوم کی بعض محفلوں میں عظمت عبد القیوم کو اپنی منفرد تحریر کے ذریعہ خرچ پیش کیا ہے اس سال عظمت عبد القیوم کی ۱۳ ویں برسی کے موقع پر منعقدہ ادبی جلسے میں بھی انہوں نے نہایت پراثر مضمون پڑھا تھا۔ نسیم نثر اب الحسن اگرچہ علمی و ادبی، شعری و تہذیبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں لیکن ان کے رکھ رکھاؤ میں گھریلو پن نمایاں ہے نہایت سادہ لباس زیب تن کرتی ہیں اپنے ہر ملاقاتی سے نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ ملاقات کرتی ہیں ادبی محفلوں میں جہاں جگہ مل جاتی ہے بیٹھ جاتی ہیں صف اول یا صف دوم میں بیٹھنے کی کبھی ان کی خواہش نہیں بلکہ ان میں بانی محفل ان کی ادیبانہ قدردانی سمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محفل کی اگلی صف میں بٹھاتے ہیں۔ نسیم صاحبہ کا شعری و ادبی ذوق نہایت نکھر اُسٹھرا ہے اچھی اچھی معیاری کتابوں کے مطالعے نے ان کی صلاحیتوں کو کافی نکھارا ہے چونکہ وہ ایک فطری ادیبہ ہیں اس لئے ان کی تحریروں میں بے ساختگی نمایاں ہے ان کی تحریروں کا کوئی ایک جملہ بھی صفحہ قرطاس پر جبراً جگہ نہیں پاتا۔ خیالات کے بہاؤ کے ساتھ بہترین جملے اپنے صحیح مقام پر اپنا حق ادا کرانے میں۔ بانی کہتے سننے کی "نثر میں ان کی پہلی کتاب ہے جو ۳۵ مضامین پر مشتمل ہے

اس کتاب کا انتخاب اپنے شوہر محترم نواب الحسن صاحب کے نام اس  
شعر سے کیا ہے۔ ع

تمہارا نام سے سب لوگ تجھ کو جان جاتے ہیں  
میں وہ کھوٹی بیوی اگلی چیز ہوں جس کا پتہ تم ہو  
نسبہ صاحبہ حیدر آباد کی صف اول کی صاحب طرز ادیبہ نامور  
استاد جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر زینت ساجدہ کی شاگرد رہی ہیں نسبہ نواب الحسن  
کے بیشتر مضامین آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہو چکے ہیں ان کے پاس  
مضامین کا کافی ذخیرہ ہے بہت ممکن ہے اس اہم کتاب کے بعد ایک اور  
عہدہ سوغات ادبی حلقوں تک پہنچ جلد پہنچ جائے۔

نسبہ صاحبہ نے روزمرہ زندگی کی کیفیات کو نہایت سلیقے کے  
ساتھ پُر اثر انداز میں قلم بند کیا ہے سیدھے سادے انداز میں اپنی بات  
کہنے میں مہارت رکھتی ہیں مشہور افسانہ نگار و نامور دانشور علی باقر کی  
بہن ہیں۔ نسبہ نواب الحسن کا تعلق یوپی کے ایک زمین دار گھرانے سے ہے ان  
کی پرورش میرٹھ میں ہوئی ان کے والد محترم کا نام سید آفتاب حسین ہے جو  
اپنے دور کے قابل دانشوروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی والدہ ذکیہ  
بیگم نواب حسن الملک کی بھینجی تھیں ۱۹۴۷ء کے بعد نسبہ صاحبہ کے اہل  
خاندان حیدر آباد آئے یہاں ان کے بچپن کے کئی افراد آصف جاہی  
حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ جب وہ حیدر آباد آئیں تو ان  
کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ ان کا سربراہ خاندان علم و ادب کی دولت سے

مالا مال ہے ان کے والد چچا بیو پی بھی اچھے شاعر تھے حیدر آباد کی محفل  
 خوانین سے وابستہ کرنے میں ڈاکٹر زینت ساجدہ کی دلچسپی کا بیڑا دخل ہے  
 نسیم تراب الحسن صاحبہ کا ادبی سفر جاری ہے یقیناً ان کا یہ ادبی  
 سفر پوری تابناکی کے ساتھ جاری رہے گا اور ان کی تحریروں سے  
 دامنِ ادب میں نئے نئے رنگ کے پھول کھلتے رہیں گے اور سارا  
 چین اُردو جہکتا رہے گا۔

# محمد ظہیر الدین احمد

(ماہرِ اقبالیات - اعلیٰ ظرف و وسیع النظر شخص)

شہر کے ایک جتنا نہ جانی جگہ پر رہنے پتہ نہیں وہ کس موڑ میں تھے ایک دن اپنے کام کے دوران مجھ سے کہا تھا کہ شریف کو کوئی بہت کچی ہو گئی ہے، شاید انہیں کئی کوئی بات یاد آگئی ہو کسی بات سے زچ ہو کر کبھی اس طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ممتاز صحافی کی اس جھنجھکی ہوئی بات پر میں نے جیب غور کیا تو غور کرتا ہی چلا گیا۔ جب کبھی معاشرہ کے مہذب لوگ، سوسائٹی کی بہتری کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں، چاہتے ہیں کہ ہر شخص پُر سکون زندگی گزارے۔ لیکن کچھ عوامل و عناصر منفی سرگرمیوں کے آکر کار بنے ہوئے اچھے خاصے ماحول کو بگاڑ دیتے ہیں۔ ماحول کی خوشگوار فقہار کو مکہ زبنا دیتے ہیں لیکن اس طرح کے لوگوں کی سازشی عمر لمبی نہیں ہوتی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اخطا ط پذیر ہو جانے میں اخلاقی اعتبار سے بھی اور ذہنی طور پر بھی۔ میں تو یہ کہتا ہوں مسائل کے ساتھ انسان کو زندہ رہنا چاہیے ورنہ ساری زندگی صرف

زندگی چھاؤں کی متلاشی نظر آئے گی کچھ اعلیٰ صفات، مصلح قوم و ملت، سوسائٹی  
 کی معتبر شخصیتیں ایسی ہی ہوتی ہیں جو اپنے ایک خاص مقصد جہاں کی تکمیل کے  
 لئے ساری عمر سرگرواں رہتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک پل مصلح و آشتی  
 شرافت و نجابت، انسانی رشتوں کی پاسداری اور قوم و ملت کی سرخ روی  
 کے لیے مصروفِ عمل رہتا ہے و اختتام ایسے لوگ جو ایک خاص مقصد برآری کے  
 لیے ہم تن مصروف رہتے ہیں وہ سوسائٹی کی نمائندہ شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں  
 اور خاص طور پر ایسے لوگ جو نائنیاں ماسوں سے دور رہنے ہوئے اپنی ذاتی  
 شہرت سے پرہیز کرتے ہوئے بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی  
 انکاری کا پیکر بنے رہتے ہوں وہ چشم بصیرت و بصارت کی ایک مقدار  
 امانت کی طرح لوگوں کی نظروں میں رہتے ہیں اس طرح کے اعلیٰ ظرف مستودہ  
 صفات، باکردار، بااخلاق، بامروت، شرافت نواز، محبت پسند لوگوں  
 میں ماہر اقبالیات محمد ظہیر الدین احمد بھی ہیں جو دیوانے وار ایک ہی مسلک  
 سے وابستہ اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں اور وہ اعلیٰ اسقفہ علامہ اقبال  
 کے فکر و خیال کو باشعور لوگوں تک پہنچانا اور اقبال شناسی اور اقبال پسندی  
 کا عملی ثبوت دینا ہے۔ میں ظہیر الدین صاحب کی اقبال شناسی کے جذبہ  
 خلوص کی دل و جان سے قدر کرتا ہوں۔ بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دیوانہ  
 داری کے ساتھ اپنے مخصوص ذہن و فکر کا آبیاری میں مصروف رہتے ہیں ظہیر الدین  
 صاحب اقبال اکیدہ نبی کے روح رواں ہیں۔ میں گزشتہ ۲۰ برس سے انہیں دیکھتا  
 آ رہا ہوں۔ اقبال سے ان کی محبت کو محسوس کرنا آ رہا ہوں اقبال کے علمی و ادبی

کاموں سے ان کی دلچسپی کو لیندہ کنارہ ہوں۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو ظہیر الدین صاحب نے اپنے نقش قدم پر چلنے کے لیے راہ ہموار کی ہوگی۔ میں ظہیر الدین صاحب کو بہت قریب سے جانتا ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی شخص کی خوبیوں کو پرکھنے کے لیے ساری عمر اس کے ساتھ لپکا جائے۔ کچھ ملاقاتیں بھی کچھ ایسا ناشر چھوڑ جاتی ہیں جو ناجائز باقی رہتی ہیں۔ ظہیر الدین صاحب جیسے نفیس انسانوں سے ملنے کی رفاقت قطع ضروری نہیں ہے دو چار ملاقاتیں ہی ان کو کچھ پرکھنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ میں اپنے تجربات کی روشنی میں یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ جن لوگوں سے برسوں سے میری شناسائی ہے دوست ہے ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں سے کم کم ملاقاتوں اور کم کم دوستی کے یا وجود یکساں طور پر دونوں میرے گوشہ بدول میں حیلہ فرما رہتے ہیں کچھ شخصیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی ایک ہی جھلک یہ احساس دلاتی ہے کہ برسوں سے ان سے شناسائی ہے اور یہ کم کم ملاقاتوں کا احساس جب قوی ہو جاتا ہے تو فاصلوں میں قربت کا لطف آ جاتا ہے پھر ایک ایسا شخص جس کی ساری زندگی علم و عرفان، تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہو اس سرسری مراسم ہی سہی وہ شخص دل سے دور نہیں رہتا اور جہاں کہیں بھی مثبت افکار کی بات نکلتی ہو، آجائوں کا تذکرہ ہوتا ہو، نیکیوں اور خوبیوں پر تبصرے ہونے ہوں تو ایسے علمی، دینی، مذہبی، تہذیبی، ادبی ماحول میں ظہیر الدین صاحب جیسے لوگوں کی خودیہ خود یاد آتی ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری ملاقات ظہیر الدین صاحب سے بہت کم ہوتی ہے لیکن کم کم ملاقاتوں کا نشہ کچھ اس طرح میرے وجود پر

جب کبھی مجھے علامہ اقبال کے کسی شعر یا نظم کے بارے میں پوچھا ہوتا تو ان سے  
 ربط رہتا ہے۔ کلام اقبال کے بعض شعور کے بار میں پوچھا ہوتا تو وہ اپنے حافظہ  
 پر گھروسہ کرتے ہوئے کلیات اقبال دیکھنے کے بعد ہی جواب دیتے ہیں۔ ظہیر الدین  
 صاحب تنہایت ذمہ دار نہایت علم دوست انسان ہیں میری منہ بولی بہن صاحبہ  
 الطاف کی ایک کتاب ”آؤ اقبال سے ملیں“ زیر اہتمام اقبال اکیڈمی شائع ہو چکی ہے  
 اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ظہیر صاحب نے مکمل تعاون کیا تھا۔ ظہیر صاحب کی  
 مگرانی میں صوری و معنوی دونوں حیثیت سے شہسکار کتاب شائع ہوئی ہے جس کی رقم  
 اجراء تقریب میں نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد  
 انسٹیٹیوٹ میں منعقد کی تھی اس تقریب کو شہر کے مشاہیر اردو نے مخاطب کیا تھا  
 جس میں ظہیر الدین صاحب بھی شامل تھے۔ ظہیر الدین صاحب خالص علمی و ادبی آدمی ہیں  
 اگرچہ وہ محکمہ سیرت کے عہدہ دار رہ چکے ہیں ظہیر الدین صاحب نے اپنی ذاتی کوششوں  
 سے مانصاحب ٹینک کے قریب ایک بلڈنگ میں اقبال اکیڈمی کے زیر اہتمام  
 ایک لائبریری قائم کی ہے اس لائبریری کی ترقی کے لیے دہے نکان  
 محنت کر رہے ہیں خدا کا شکر ہے کہ انہیں علمی و ادبی حلقوں سے تعاون حاصل ہو رہا ہے  
 ان کے اس نئے کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ محمد ظہیر الدین احمد نام ہے ان کے  
 والد کا نام مولوی محمد بشیر الدین احمد ہے ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے  
 جامعہ عثمانیہ سے بی اے (انگریزی) کا بیاب کیا۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اقبال  
 کشش اور گریز (پروفیر عالم خود میری) افکار تازہ (مضامین پروفیر صلاح الدین  
 اقبالیات ماجد) مولانا عبدالمجید دریابادی کے مضامین کا مجموعہ ہے۔



# ڈاکٹر لیلیٰ صلاح

(مشرقی تہذیب کی نمائندہ خاتون قابلِ استاد و ادیبہ)

معلم معاشرہ سے وابستہ بعض اہل قلم خواتین جو اپنے رکھ رکھاؤ، اپنی شائستہ طرزِ حیات اور ایک اچھوتی ادبی پہچان کے ساتھ شہرت رکھتی ہیں، ہمارے شہر میں موجود ہیں جن پر ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کی معزز، مغنیز اور باصلاحیت خواتین صرف شعبہ شعروادب کے تعلق رکھنے والی ہیں بلکہ مختلف شعبہ زندگی میں بھی ہمیں مل جاتی ہیں۔ ڈاکٹر لیلیٰ صلاح مشرقی تہذیب سے وابستہ، شائستہ اقدار اور اعلیٰ ذہن و فکر کی آئینہ دار ہیں جو اپنے پورے وقار کے ساتھ شعروادب کی دنیا سے وابستہ ہیں۔ ڈاکٹر لیلیٰ صلاح نہ صرف ایک نامور ادیبہ، بہترین استاد بلکہ ایک تہایت عمدہ خاتون ہیں جنہیں شعروادب کے ماحول میں بھی قدر و منزلت حاصل ہے جہاں کہیں بھی ڈاکٹر لیلیٰ صلاح کا ذکر آتا ہے وہاں کے ماحول میں سنجیدگی، شرافت، نفاست اور شائستگی کی رعنائیاں جلوہ افروز رہا کرتی ہیں آداب گفتگو

شرافت کی خوشبو، فکر و خیال کی روشنی اس بات کی غائز ہے کہ وہ تہذیب  
 معاشرہ کی ایک معزز خاتون ہیں جن کے اسلاف اور موجودہ اہل خاندان  
 برگزیدہ اور شرافت نواز ماحول کے پروردہ ہیں۔ ڈاکٹر لیتھ صلاح کی نرم گفتاری  
 مسک خرامی، محتاط روی، شائستہ طرزِ تکلم اور آدابِ نشست و برخاست  
 ان کی شخصیت کی اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ جلد رآباد میں خاص طور پر وہ اہل  
 خوانین جو اردو زبان، اردو شعر و ادب اور اردو تہذیب سے وابستہ ہیں اُن  
 میں سے بہت سوں کو میں نہ صرف جانتا ہوں بلکہ ان کے علمی و ادبی کارناموں سے  
 بھی واقف ہوں اور معاشرہ میں اُن کا کیا اثر ہے اُس سے بھی واقف ہوں  
 اُن میں سے بیشتر اہل قلم خوانین سے میرے شاعرانہ و ادیبانہ مراسم ہیں اُن ہی  
 پر میں اپنے تاثرات پیش کر چکا ہوں اور شخصی تاثرات کا یہ سلسلہ جاری ہے  
 ڈاکٹر لیتھ صلاح کی شخصیت اور ان کی ادبی خدمات ایسی ہیں کہ ان پر قلم اٹھانے  
 ہوئے حقے یک گونہ مسرت کا احساس ہو رہا ہے ڈاکٹر لیتھ صلاح کو میں اُس  
 وقت سے جانتا ہوں جب کہ اُن کی تحریریں روزنامہ سیاست اور طنز و مزاح  
 کے منفرد رسالہ مشکوفہ میں شائع ہوتی تھیں۔ میں ان کے فکر و فن اور ان کی  
 بہترین مضامین سے مستفید ہوتا رہا۔ اس کے باوجود ڈاکٹر لیتھ صلاح سے مجھے شخصی  
 ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ ڈاکٹر لیتھ صلاح محفل خوانین سے اپنی وابستگی کے  
 بعد جب اپنی تحریروں سے نواز تا شروع کیا تو میں ان کی تحریروں سے اور بھی  
 متاثر ہوتا رہا۔ محفل خوانین کے سالانہ جلسوں میں ڈاکٹر لیتھ صلاح کے مضامین  
 سے استفادہ کیا با نثار ہاسٹس کئی ماہانہ جلسوں میں بھی ڈاکٹر لیتھ صلاح نے اپنے

مضامین پیش کیے ہیں۔ میں چونکہ قیام محفل خواتین سے ہی محفل خواتین کا مشہور  
ہوں اس لیے محفل خواتین کے سربراہ خاص طور پر بانی محفل خواتین ممتاز  
شاعرہ و ادیبہ عظمت عبد القیوم محفل خواتین کے جلسوں میں خصوصیت کے  
ساتھ سالانہ ادبی تقاریر کا سلسلہ میں مکمل تعاون حاصل کیا  
کر رہی تھیں۔ سالانہ تقاریر کے موقع پر ایک ضخیم ادبی میگزین "غزلوں کی رات"  
کے نام سے شائع ہوتا تھا (اب بھی سالانہ تقریر کے موقع پر شائع ہوتا ہے) اس  
ادبی میگزین کے لیے عظمت عبد القیوم مجھ سے تعاون حاصل کرتی تھیں عظمت عبد القیوم  
بیشتر ادبی میگزین کی مدیر رہیں۔ محفل خواتین کے وساطت سے ہی ان کا شغف  
اور ان کے علمی و ادبی کارناموں سے میں متاثر ہوا۔ ڈاکٹر الباقی صلاح حیدر آباد کے  
ایک علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے تمام اہل خاندان اردو زبان و ادب  
کی ترویج و اشاعت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر الباقی صلاح نے اپنے طالب علمی کے  
زمانے سے ہی اپنی صلاحیتوں سے اظہار کسے یہاں حال دلایا ہے کہ وہ آگے چل کر  
ایک نامور ادیبہ بننے والی ہیں۔ ڈاکٹر الباقی صلاح نے ۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۰ء عارضی  
پنجرہ کی حیثیت سے ریڈی کلنگ، نوجیون کلنگ، یو بیس کلنگ (عثمانیہ یونیورسٹی)  
نظام کلنگ (عثمانیہ یونیورسٹی) سائنس کلنگ (عثمانیہ یونیورسٹی) اپنی خدمات انجام  
دیں۔ بی بی رضا ڈگری کلنگ میں بہ حیثیت پنجرہ ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۳ء مستقل ملازمت  
اختیار کی۔ کلنگ یونیورسٹی میں ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۶ء بہ حیثیت پنجرہ ریڈر، پروفیسر  
(صدر شعبہ لٹریچر و فائن آرٹس)۔ اس کے علاوہ دارون پیرائے طالبات، یونیورسٹی  
کلنگ، یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء تا ۱۹۸۹ء کے دوران میں ریڈر، پروفیسر،

۱۹۹۵-۱۹۹۴ چیمبر پریس رجسٹریشن کمیٹی برائے یونٹہ فیسلڈ  
 ڈسٹرکٹ لیول سادھنہ زون (نیشنل لیول ۹۵-۱۹۹۴ گلبرگ یونیورسٹی  
 ۹۰-۱۹۸۷ صدر نشین کرناٹک اردو اکیڈمی (بنگلور) ممبر بنک بر چیمز کمیٹی  
 فار بکس (بنگلور) گورنمنٹ آف انڈیا نمبر ۱۰۸-۸۰ کرناٹک  
 (دھارڈ وارڈ) صبر انصافی کمیٹی ولورڈ ایراے استغانات میسور، بنگلور یونیورسٹی  
 عثمانیہ یونیورسٹی، کیرلا یونیورسٹی، سنٹرل یونیورسٹی، راجستھان یونیورسٹی، پنجاب  
 یونیورسٹی، پشتون یونیورسٹی اور یو جی سی برائے نٹ انٹیپ، صبر کونسل برائے فروغ  
 اردو ۹۹-۱۹۹۷ یہیں سکریٹری اردو ماڈل اسکول، سماعت، نگر و مغل پورہ  
 تاحال — زیر نگرانی انجمن ترقی اردو (حیدرآباد) میر برائے تیاری نصابی  
 کتب تختانیہ تا اعلیٰ جماعتیں ڈی یو کیسٹ کی تیاری تختا نوی جماعت کے لیے  
 (حکومت کرناٹک بنگلور) بھی رہیں۔ ڈاکٹر بلقیہ صلاح کی حسب ذیل مطبوعاتیں  
 میر شمس الدین فیض (۱۹۸۰ء) سنی سنائے مزاجیہ مضامین و خاکے (۱۹۸۱ء)  
 عہدِ سلطو جادو علی و ابی خدات (۱۹۸۵ء) عکس در عکس تحقیقی و تنقیدی  
 مضامین (۱۹۹۲ء) اردو و پنجاب (تنقیدی تحقیقی مضامین) (۱۹۹۳ء) —  
 ڈاکٹر بلقیہ صلاح سے کبھی بھی دفتر شگوفہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی وہ اپنے علمی و ادبی  
 کاموں کے سلسلے میں علمی و ادبی مراکز کے سربراہوں سے ملاقات کرتے کے علاوہ اردو  
 کتب خانوں سے بھی رابطہ باقی رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر بلقیہ صلاح سیاست اخیال سے  
 اپنی ذہنی وابستگی رکھتی ہیں وقتاً فوقتاً سیارست میں ان کی تحریریں شائع  
 ہوتی رہتی ہیں ڈاکٹر صاحبہ نے بے شمار ادبی انیسوں کو مخاطب کیا۔ جلسوں میں

مضامین پیر و قاری، سینار، پیسوزیم میں حصہ لیا۔ ملک کے کالجوں اور جامعات کی  
 علمی و ادبی تقاریر میں حصہ لیتی رہیں۔ حیدرآباد میں ڈاکٹر یقیق صلاح ایک شاموش  
 کھم آمیز ادیب کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں ادبی جلسے، انگریز خاص اور عیاری ہو  
 تو شرکت کرتی ہیں وعدہ کی پابندی ہیں۔ ادبی جلسوں میں مقررہ وقت پر آتی ہیں اور  
 اجلاس کے اختتام تک شریک محفل رہتی ہیں۔ حیدرآباد میں بہت علمی و ادبی  
 ادارے اپنے اپنے انداز میں کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر یقیق صلاح ایسی ہی محفلوں میں  
 شرکت کرتی ہیں جہاں انہیں شرکت کرتے ہوئے اور مضمون پڑھنے ہوئے  
 مسرت محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر یقیق صلاح نے ادارہ میل شہر میرے لوگ کے بعض ادبی  
 جلسوں میں بھی شرکت کی ہے جن کے پیر مضمون مضامین سے حاضرین محفل مستفید ہو چکے  
 ہیں ڈاکٹر یقیق صلاح کی تحویریں، اخبارات میں اشاعت پذیر ہونے کے علاوہ ادبی  
 رسائل کی بھی زینت بنتی رہتی ہیں حیدرآباد کی حد تک ماہنامہ سب رس  
 شگوفہ فروغ و خیر کا سحر میں ان کی تحریریں اہتمام کے ساتھ شائع کی جاتی ہیں ڈاکٹر  
 یقیق صلاح کے خاکے کافی پسند کیے جاتے ہیں۔ طنز و مزاح کے موضوع پر بھی ان کے  
 مضامین متناثر کرتے ہیں لیکن ان کے خاص علمی و ادبی، تحقیقی و تنقیدی مضامین کا  
 تناثر بھی کچھ کم نہیں ہوتا۔ ان کے خیالات میں بہاؤیت قلم میں روانی ہے کثرت مطالعہ  
 نے ان کے دل و دماغ کو روشن کھلے معلومات کی بہار سے اور کثرت مطالعہ نے  
 ان کو صاحب طرز ادیب کا اعزاز عطا کیا ہے۔ مختلف علوم و فنون سے واقفیت  
 کی وجہ سے ان کے طرز تحریر کا مجموعہ متنوع کو کافی تقویت حاصل ہوئی ہے۔  
 ڈاکٹر یقیق صلاح ایک فضا طے شائستہ پیر و قاری ادیب کی حیثیت سے اردو شہر

میں اپنی مخصوص پہچان کے ساتھ مشہور ہیں۔ ڈاکٹر یثیق صلاح سے کبھی کبھی فون پر بھی بات چیت ہوتی ہے علی وادلی اور محفل مشاعرہ وغیرہ سے متعلق گفتگو رہتی ہے۔ میں نے یہ سوس کس کہا ہے کہ اگر گرناٹک کے علاقے میں کہیں بھی کوئی مشاعرہ ہونے والا ہے اور ان سے حیدر شاہی شعرا کے انتخاب کے سلسلے میں نیاون کی خواہش کی جائے تو وہ میرا تمام ہنر و کمال لیں گی۔ بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض بڑے مشاعروں میں انہوں نے مجھ سے راست رابطہ پیدا کیا اور ان مشاعروں میں حیدر آباد کے نمائندہ شاعروں نے شرکت کی۔ اس طرح کے مشاعروں میں ایک اہم و یادگار مشاعرہ رانچور کا بھی ہے جو ایک سال قبل منعقد ہوا تھا ڈاکٹر یثیق صلاح کو اس بات کا احساس ہے کہ حیدر آبادی قلمکاروں کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہونی چاہیے بلکہ ان کی شاعرانہ حیثیت کو بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر یثیق صلاح اس طرح کے مواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے شہر کے با اپنے پسندیدہ قلمکاروں کو اپنے زیر اثر ادبی جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کرتی رہتی ہیں کئی برس پہلے کی بات ہے کہ کلکتہ میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا تھا اس مشاعرہ میں حیدر آباد کے شاعروں میں رئیس اختر اور میں مدعو تھے۔ مشاعرے کے دوسرے روز ڈاکٹر یثیق صلاح نے اپنے کانٹ (بابی رضا ڈگری کالج) میں ہم دونوں کی خبر مقدسہ تقریب دہلی تھی جہاں وہ اردو کی استاد تھیں۔ ڈاکٹر یثیق صلاح کی یہ حیدر آباد نوازی اور شاعر نوازی نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ اظہار تشکر کے طور پر حیدر شاہی میں ڈاکٹر صلاح کو محفل خواتین کے سادہ رنگیوں میں مدعو کرنے کے لیے محفل خواتین کے سربراہیوں کو توجہ دلاتا رہا۔ خود اپنی ادبی انجمن میرا شہر میرے لوگوں میں بھی مدعو کیا

ڈاکٹر دلیق صلاح کی تقریر بتا تمام کتابیں میرے پاس موجود ہیں میں نے بھی تقریر کیا  
 اپنی تمام کتابیں ڈاکٹر صاحبہ کے مطالعہ اور ان کی لائبریری کے لیے دی ہیں نئی  
 کتابوں کا تبادلہ ہم شاعروں، ادیبوں میں ہوتا رہتا ہے لیکن ہر شاعر و ادیب  
 کے لیے یہ طریقہ کار روا نہیں رکھا جاسکتا۔ اس لیے کہ بعض ایسے قلم کار بھی ہیں جو صرف  
 دوسرے شاعروں، ادیبوں کی کتابیں دینا پسند کرتے ہیں دینا نہیں۔ ڈاکٹر دلیق  
 صلاح نہایت کم گو، منکسر المزاج، شرافت و سخی خاتون ہیں تمام ادبی ملفوظات  
 پر توجہ دہن نہایت کی نظر سے لکھی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر دلیق صلاح جب تک گلبرگہ میں  
 رہیں، اس کی علمی و ادبی شہزیتوں نے ان کی ادبی خدمات سے استفادہ کیا۔  
 ڈاکٹر صاحبہ نے گلبرگہ کے تقریریں اہم جلسوں میں شرکت کی ہے اور اپنی بہترین  
 معلومات آخرین تقریر و تقریر سے اپنی محفل کو استفادہ کا موقع عنایت کیا  
 ڈاکٹر دلیق صلاح کے لیے شمار ادبی مظاہرین آئی انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے اور  
 دور درشن سے نشر ہوئے۔ بعض مائکروں میں انہوں نے شرکت بھی کی ہے۔ ڈاکٹر  
 دلیق صلاح کا علمی و ادبی کام جارحانہ ہے ان کی ادبی مصروفیات اور اردو ادبیات  
 سے ان کی غیر معمولی دلچسپی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ادبی سفر جارحانہ ہے  
 گلاب پوری توانا بیوں کے ساتھ

# ڈاکٹر حمیدہ حبیبی

(باصلاحیت استاد، نامور محقق، معتبر گوشہ نشین خاتون)

جید آباد میں بہت سے ایسے وضع دار گھرانے ہیں جن سے وابستہ ہر فرد کسی نہ کسی ادا سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا سلسلہ کس خاندان سے ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر خاندان میں ہر ایک شخص اعلیٰ درجہ مقام پر فائز ہو، اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار موقع بہ موقع کرتا ہوا دکھائی دے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی پہچان کے لیے دوسروں کا سہارا تلاش کرتا ہو۔ قابل لوگ اور ارتقا پذیر شخصیتیں خوشبو کی طرح سارے معاشرہ میں پھیل جاتی ہیں اور اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو اجالوں کی نعمتوں سے سرفراز کرتے رہتے ہیں۔ بڑے گھروں میں بڑے لوگ بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی۔ بڑے اس اعتبار سے کہ وہ علم و عرفان کی نعمتوں سے نہ صرف خود فیض یاب ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی علم و آگہی کے فیوض و برکات سے نوازتے رہتے ہیں۔ حصولِ علم کے لیے ساری زندگی گزارنی پڑتی ہے اس کے باوجود کوئی ایک شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا



کہ وہ اپنے موضوع، اپنے لفظ، نظر کی ترجمانی میں حرف آخر ہے علوم و فنون میں کوئی  
 بھی حرف آخر نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان ایک ہی منزل پر آکر رک  
 جاتا۔ ایسا سفر محدود کر دیتا اور اس نقطہ پر پہنچ جاتا کہ اب اور کچھ زندگی میں  
 باقی نہیں رہا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ناممکن زندگی اور زندگی کا ادھورا  
 انسان کو تاحیات رواں دواں رہنے کی تلقین کیا کرتا ہے اور ایک ایسا شخص  
 جو مسلسل سفر میں رہتا ہے وہ چلتے ہی رہتا چاہتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ زندگی کے  
 سفر میں طویل مسافت کے بعد مستحکم چاہتا ہے اور یہ خطرہ کا تقاضہ  
 ہے کہ انسان چلتے چلتے تھک جائے تو وہ ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں نکلتا  
 ہے اور اگر کہیں سایہ دار درخت مل جائے تو دم لیتا ہے اور اپنے سفر کی تھکن  
 دور کرتا ہے پھر کچھ وقفہ کے بعد سفر کے لیے نکل جاتا ہے۔ نیرنگی حیات بہر صورت  
 اپنے کرتھے دکھائی رہتی ہے تلخیوں کے ساتھ راہیں، دھوپ کے ساتھ چھاؤں  
 شام کے ساتھ سویرا، آجاولوں کے ساتھ اندھیرے ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں  
 حالات کی ساری وگرنی، موسم کی ہمہ رنگی، کیفیت ایک انسان کو جینے کا فن سکھاتی  
 ہے اور ایک کامیاب انسان ہر قسم کے حالات سے آنکھیں ملاتے ہوئے اپنی  
 زندگی گزارتا ہے۔ علمی و ادبی گھرانے کے لوگ، علوم و فنون کی نعمتوں سے ناچنا  
 فیض یاب رہتے ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ دیوانگی کی حد تک علوم و فنون  
 کی سر فرازیوں سے استفادہ کرتے رہیں۔ اور ایسے بیشتر مواقع آجاتے ہیں جن سے  
 انسان کا خوف مستفید ہوتا رہتا ہے۔ حیدرآباد میں علمی و ادبی گھرانوں کی کمی نہیں  
 ہے لیکن ہر تعلیم یافتہ گھرانے سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ اس کا ہر فرد خاندانی

ادبیات کی مکمل پاسداری کرے اور علم و آگہی کی گسوٹی پر پوری طرح افسر  
 جائے۔ پھر بھی اگر چشم بصیرت اُس کا ساتھ دے تو وہ لوگ جو خاموشی کے  
 ساتھ اپنے علمی و ادبی مصروفیات میں گم رہتے ہیں اُن پر نظر پڑی جاتی ہے  
 حضرت فصاحت جنگ جلیل کے خاندانہ میں تقریباً تمام لوگ علم و  
 فضیلت سے بہرہ ور ہیں کہیں زیادہ کہیں کم۔ زیادہ کے زمرہ میں جہاں کی  
 میری معلومات ہیں ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے بعد ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کا نام آجاتا ہے یہ  
 میرے ذاتی تاثرات اور معلومات ہیں۔ میں اپنی شاعرانہ و ادیبانہ زندگی میں ان دو  
 روشن چراغوں کی روشنی سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس سے انکار نہیں کہ ڈاکٹر  
 جمبرہ جلیلی کے والد محترم عزیز احمد جلیلی اور مشتاق جلیلی کا نام بھی شعر و ادب کے حلقوں  
 میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے پھر بھی اس خاندان میں صرف ادب کی  
 حیثیت ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی ہے اور حرفِ ثانی کی ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کی۔ ڈاکٹر علی احمد  
 جلیلی نہ صرف اعلیٰ درجہ کے شاعر ہی ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے نقاد، مبصر، محقق اور  
 دانشور بھی ہیں جن کا ادھرنا بھجونا صرف اور صرف شعر و ادب کی دنیا سے وابستگی  
 ہے ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی زندگی پر بہت کچھ لکھا جانا چاہیے۔ میں نے اُن کے فن  
 اور شخصیت پر ایک بھرپور مضمون لکھا ہے جو میری کتاب ”پھر وہی پرچھائیاں“  
 (۱۹۹۳ء) میں شامل ہے میں اس طرح کے مضمون کو خوشبو کا سفر میں بھی شائع  
 کیے ہیں اور اس مضمون کا اقتباس میری نئی کتاب ”روشنی، خوشبو،  
 جہک“ (۲۰۰۲ء) میں نذر قارئین کیا جا چکا ہے اس خاندانہ کی دوسری شخصیت  
 ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کی ہے۔ ڈاکٹر جمبرہ جلیلی کی ابتدائی تعلیم مہاراشٹر کے اُن مختلف اضلاع

میں ہوئی جہاں جہاں ان کے والد محترم عزیز احمد جلیلی کی پوشنگ ہوتی تھی  
 حمیرہ نے ملٹر کے چادر گھاٹ گزربائی اسکول سے کیا اور دبیس کان بھٹانہ  
 یونیورسٹی سے گزرجویشن۔ بی ایس سی کے بعد بی اے ایم ایس سی کے ایم اے اردو میں اخذ  
 کیا۔ ان کے اساتذہ میں پروفیسر سوحین خان، پروفیسر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حفیظ قیس  
 پروفیسر کبر الدین صدیقی، ڈاکٹر ذہینت ساجدہ، ڈاکٹر حمید شطاری، ڈاکٹر غلام  
 عمر خان تھے۔ ایم اے آخر میں "نصیر الدین ہاشمی حیات اور کارنامے" کے موضوع پر  
 مقالہ لکھا "سب رس کی تنقیدی تدوین" پر زیر نگرانی ڈاکٹر حفیظ قیس پی ایچ ڈی  
 کی ٹیکس کی "کلمۃ الاسرار" شائع کی اور "قطب مشرقی" کی تدوین کی۔ سیاست  
 اخبار کے لیے مشاہیر اردو کے انٹرویو لیے تبصرے لکھے۔ انٹرویو کا مجموعہ "تفنگو"  
 کے نام سے شائع ہوا جس کے لیے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے نئے جزوی امداد  
 دی تھی۔ "سنت مکتی بائی" بھی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کی رقمی  
 معاونت سے شائع ہوئی۔ اندر گاندھی بسٹ ٹیمپل ایوارڈ ملا۔ مغربی بنگال اردو سے  
 اکیڈمی اور آندھرا پردیش اردو اکیڈمی نے "سیلس کی تنقیدی تدوین" پر انعام  
 نکلایا۔ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کو بین تقرباً ۳۵ برس سے جانتا ہوں۔ حمیرہ کو اردو شعرو  
 ادب سے بے حد دلچسپی ہے جو شیر کالج عالیہ میں صدر شعبہ اردو رہیں۔ اپنی طرزت  
 کے زمانے میں بے شمار تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کا وسیلہ بنی رہیں۔ ایسا معلوم  
 ہوتا ہے کہ حمیرہ نے اپنی ساری زندگی اپنے والدین کا خدمت کے ساتھ ساتھ اردو  
 زبان کی ترقی و ترویج کے لیے وقف کر دی ہے۔ حمیرہ جلیلی ایک حرکیاتی شخصیت  
 ہیں۔ انتہائی وضع دار، خاموش طبع ہیں معتبر اور باوقار طرزِ حیات کی اعلیٰ نمونہ

ہیں۔ ویسے ادبی جلسوں میں بہت کم شرکت کرتی ہیں وہ خاص خاص علمی و ادبی تقاریر میں شرکت کرتی ہیں اسنادِ شاہ حضرت فصاحت جنگ جلیل کی پوتی ہونے کے ناتے کبھی انہوں نے اس عظیم الشان وسیلے سبب شہزادہ کے معاملات میں اپنے خاندانی پس منظر پر غور محسوس نہیں کیا البتہ وہ خدا کا شکر ادا کرتی ہیں کہ وہ حضرت فصاحت جنگ جلیل کی پوتی ہیں اور انکساری سے یہ کہتی ہیں کہ میں اپنے دادا کی صرف پیر چھائی ہوں، عکس جمیل نہیں۔ ان کی علمی قابلیت اور ان کے شعری و تہذیبی قدرو قیمت سے استفادہ کرنا ہی میری سعادت مندی ہے۔ حیرہ انتہائی منکر المزاج، شائستگی کا بچہ سفر ایما کرتی ہیں ان کا لب لہجہ ان کا انداز گفتگو شگفتگی و شائستگی کا مظہر ہے انتہائی بزدلی کے ساتھ حق و تکلم رہتی ہیں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اردو زبان و ادب کا ایک معمولی طالب علم سمجھتی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ یہ ثابت کر دکھا یا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی محقق بھی ہیں اور بہترین ادیبہ بھی۔ حیرہ جلیل کی تنظیمی صلاحیتیں بھی ایسا جوہر دکھاتی ہیں انہوں نے حضرت فصاحت جنگ جلیل کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے ۱۹۸۲ء میں ایک ادبی انجمن دبستان فصاحت جنگ جلیل کے نام سے قائم کی ہے اس انجمن کا ایک شعور خوانین بھی ہے جس کے سالانہ جلسے خاص طور پر یادگار رہتے ہیں طلباء و طالبات کے لیے تحریری، تقریری مقابلے، بیت بازی کا اہتمام بڑی دلچسپی سے کیا کرتی ہیں انہوں نے اس طرح کی بیسیوں تقاریر منعقد کیں۔ مدتیں، دینی جلسوں سے بھی دلچسپی رکھتی ہیں چنانچہ دبستان جلیل کے زیر اہتمام وقتاً فوقتاً دینی جلسے منعقد کرتی رہتی ہیں

ڈاکٹر حمیرہ جلیلی نہایت سادا طبیعت، مہذب پیر وقار شخصیت کی حامل خاتون  
 مشرق ہیں۔ ان کے گھر کا ماحول مشرقی آداب کی نثر بخانی کیا کرتا ہے گھر کے تمام لوگ  
 اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں دینی معارفیات کی وجہ سے سارے گھر پیر نور و نہایت  
 کی بارش آہوتی رہتی ہے۔ اچھے لوگ، اچھے گھرانے، خدائے قدوس کی  
 خاص مہربانیوں کی سوغات سمجھ جاتے ہیں۔ میں ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کی ادبی  
 خدمات سے بھی واقف ہو چکا ہوں ان کے والد کی صحت ان کا ساتھ دیتی رہی  
 وہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے ساتھ ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے  
 تھے اپنی طویل علالت کی وجہ سے تقریباً خانہ نشین ہو گئے ڈاکٹر حمیرہ اپنے  
 والد محترم اور والدہ محترمہ کی خدمت میں اپنا زیادہ وقت صرف کرتی ہیں حمیرہ  
 جیسی سہولت مند اولاد خوش نصیبوں کے حصہ میں آئی ہے حمیرہ جلیلی کے  
 ادبی مضامین، ادبی رسائل میں، کم کم دکھائی دیتے ہیں البتہ ان کی کتابیں  
 نہ صرف قابل مطالعہ ہی ہیں بلکہ اپنے موضوع کے اعتبار سے دستاویزی حیثیت  
 رکھتی ہیں۔ میں حمیرہ جلیلی کے زیر انتظام کئی ادبی تقاریر میں شرکت کر چکا ہوں  
 میرے ادبی معاملات میں وہ نہایت ذمہ داری کے ساتھ سرگرم عمل رہتی ہیں  
 ڈاکٹر حمیرہ جلیلی سے فون پر گفتگو ہوا کرتی ہے ایک عرصہ تک وہ ڈاکٹر علی احمد  
 جلیلی سے فون پر میری گفتگو کے لیے رابطہ بنی رہیں۔ یہ اُس وقت کی بات  
 ہے جب ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے ہاں علحدہ ٹیلی فون نصب نہیں ہوا تھا ڈاکٹر  
 علی احمد جلیلی اور ڈاکٹر حمیرہ جلیلی ایک ہی بڑے مکان "جلیل منزل"  
 میں رہتے ہیں۔ میں نے اپنی ابتدائی تحریر میں حرف اول اور حرف ثانی کی بات

تو بات کہی لیکن حرفِ آخر کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ خانوادہٴ فصاحت جنگ  
جیکل کے ایک اور روشن چراغ رشید جلیلی ہیں جو اپنی بہترین شاعری کی وجہ سے  
شعیر کی علمی و ادبی محفلوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں جن کا پہلا  
مجموعہ آرزو کے چیراغ کے نام سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ نچے  
وہ لوگ زیادہ متاثر کرتے ہیں جو ان کی رشتہوں کی پاسداری کرتے ہوئے  
اپنے اسلاف کی قدروں و منزلت کو اپنے دل و جان کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اور  
جو اپنے اسلاف کی خوشبو سے اپنے پیراہنِ جسم و جاں کو چمکاتے بھتے ہیں  
ڈاکٹر حمیرہ جلیلی اس لیے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیں گی کہ وہ اپنی علمی  
ادبی و تہذیبی مصروفیات کے باوجود اپنے والدین کی خدمت میں پوری طرح  
وقف ہیں۔ ایسی صالح اولاد کے لیے ماں باپ کے دل سے ہمیشہ دعائیں نکلتی  
رہتی ہیں۔ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی اپنے خاندان کی ایک روشن چشم و چراغ بنیں ہی  
لیکن ہم قلم کاروں کے قبیلے سے نبی اٹھ رشتہ رکھتی ہیں۔ دونوں رشتے اپنی  
اپنی جگہ مستحکم ہیں جو تہی نسل کو یاد دلاتے رہیں گے کہ تہذیبی اقدار کیا ہوتی ہیں

# علامہ اعجاز فرخ

(مائیہ ناز خطیب - صاحب طرز ادیب و شاعر)

ایک ایسا شخص جو میری دوستی کے ابتدائی دنوں میں ایک سید  
ساد اشرفیلا، شاعرانہ و عاشقانہ مزاج اور وہاں جذبہ رفاقت کا  
حامل تھا جب وہ کئی برسوں کے بعد مجھ سے ملا تو ایک مایہ ناز خطیب و فنکار  
دانشور اور نباض وقت علامہ کی شکل میں اپنی پوری پہچان اور مکمل فراغت  
کے ساتھ خاص طور پر مسلم معاشرہ کا مرکز و نگاہ بنا ہوا تھا جس کی اعلیٰ درجہ  
کی خطابت نے ہزاروں لوگوں کے اجتماع کو اپنی گرفت میں رکھا ہے جس کی  
تقریر کا ایک ایک لفظ پُر اثر اور ایک ایک جملہ صریح و مسجہد و اردو  
کا منظر ہو تا ہے جب وہ مانگ پر آتے تو سارا مجمع اُس لمحہ کا بے صبری  
کے ساتھ منتظر رہتا ہے کہ پہلا جملہ کب اُس کی زبان سے نکلے گا اور جب  
وہ کسی بھی موضوع پر کہنے لگتا ہے تو فصاحت کے دریا بہنے لگ جاتے ہیں  
اس کا ہر جملہ سامع کے دل میں اُترتا چلا جاتا ہے دل و دماغ روشن ہوتا ہے

اور ذہن و فکر کے دروازے وا ہو جاتے ہیں۔ شعلہ بیان خطیب ہمارے  
 شہر کی آبرو بڑھانے اور مسلم معاشرہ کو صراطِ مستقیم کی راہ دکھانے میں  
 زیادہ پیش پیش ہے جس کے فکر و خیال کے تمام گوشے روشن ہیں جو  
 اپنی تقریر کے دوران اپنی معلومات کے خزانے لٹا دیتا ہے اس کا دامن  
 ہمیشہ بھرا ہوا رہتا ہے اس کے علم کی دولت تمام حاضرینِ محفل کو  
 رئیسِ مملکت سے کسی کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس محفل سے  
 خالی ہاتھ واپس ہو رہا ہے وہ آتا تو ہے خالی ہاتھ لیکن لوٹتا ہے  
 تو معلومات کے پیش یہاں خزانے اپنے ساتھ لے جاتا ہے اس طرح کی  
 تمہید کا کل آئینہ دار ہمارے شہر میں وہ ایک شخص ہے جس کو مسلم معاشرہ  
 علامہ اعجاز قرخ کے نام سے جانتا ہے یقیناً علامہ اعجاز قرخ  
 محاسنِ اہلِ بیت میں صفِ اول کے ذاکر کجے جاتے ہیں شیعہ برادری میں  
 اعلیٰ قدر و منزلت کے حامل ہیں جب کسی کو ملتِ اسلامیہ کے کسی بھی گوشے  
 پر ان کی تقریر سننے کا موقع ملتا ہے تو وہ اپنی قسمت پر تازہ کرتا ہے علامہ  
 اعجاز قرخ کا خطاب خاص طور پر کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے مذہبی و سیاسی  
 اجتماع میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر رہتا ہے۔ علامہ اعجاز  
 قرخ کی تحریریں بھی دل و دماغ کے تمام گوشوں کو منور کر دیتی ہیں جگمگا دیتی  
 ہیں۔ ہر موضوع پر انھیں کھل کر اظہارِ خیال کرنے کا ملکہ حاصل ہے اخبار  
 سیاست میں اب تک ان کے جتنے مضامین شائع ہوئے ہیں یا کسی نہ  
 کسی مسئلہ پر ان کا پیرس نوٹ شائع ہوتا ہے تو دل و دماغ کو جھجھوڑتے



والا ہوتا ہے علامہ فرخ کی مرصع و مسجع اردو جہاں فکر و خیال کے حلقے میں بے حد پسند کی جاتی ہے وہاں ان کی تحریر کا ہر جملہ مرصع و مسجع عبارت کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے علامہ فرخ خاص طور پر مذہبی و سیاسی جلسوں کے لیے ناگزیر ہو گئے ہیں وہ ہمیشہ اہم اور معیاری جلسوں میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ علامہ کی قابلیت کا یہ فیضان ہے کہ وہ ہر موضوع پر اظہار خیال کی طاقت رکھتے ہیں علامہ کم آمیز ہیں۔ عام جلسوں میں ان کی کم کم شرکت نے ان کے وقار میں کچھ اور اضافہ کیا ہے موزوں ترین محفلوں میں شرکت کرنا پسند کرتے ہیں۔ علامہ فرخ کُل ہند مجلس اتحاد المسلمین سے وابستہ ہیں مجلس کے بعض اہم جلسوں میں لازماً شریک ہوتے ہیں اور اپنے پیراشر خیالات سے سارے مجمع پر چھا جاتے ہیں۔ علامہ اعجاز فرخ سے میری دوستی بہت قدیم ہے غالباً ۱۹۳۵ء سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں علامہ فرخ کو میں قطعی نہیں جانتا تھا لیکن وہ مجھے جانتے تھے شاید شعروں کی وساطت سے کبھی کبھی علیک سلک ہوا کرتی تھی وہ ہماری مدینہ ہسٹل کی نشستوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ اُس زمانے میں ہم (صلاح الدین تیر، رئیس اختر، ناکھڑی، اکثر مدینہ ہسٹل کے ایڈوکیٹ ہاں میں ایک کیمپ میں ہر رات ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک لازماً بیٹھا کرتے تھے یہ سلسلہ تقریباً ۱۹۶۸ء تک چلتا رہا۔ اُن دنوں علامہ اعجاز فرخ محکمہ ایئر فورس سے تعلق رکھتے تھے وہ ہم سے ملنے کے لیے کبھی بھی آتے تھے شعروں و شاعری پر گفتگو رہتی۔ شہر کی ادبی و شعری محفلوں کا تذکرہ رہتا۔ حسب روایت چارے کا پہلا، دوسرا کبھی تیسرا دو کبھی چلتا رہتا

تھا۔ اُن دنوں علامہ فرخ ہنگا اور پٹھیا سگریٹ پیتے تھے غالباً 555۔ فرخ بہت زیادہ سگریٹ پیتے تھے میں نے اُس زمانے میں یہ محسوس کیا کہ وہ کافی غلبہ خجیدہ اور اُلجھے اُلجھے ہوئے رہتے ہیں اور ذہنی سکون کی تلاش میں ہم سے ملاقات کرتے ہیں وہ اس قدر خاموش رہتے کہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں کچھ جل رہا ہے سگریٹ کے کش پرکش لگاتے تھے مگر فرخ کبھی کبھی کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن ان کا اندازِ گفتگو شاعرانہ و عاشقانہ ہوتا تھا انہیں اساتذہ سخن کے بہت سے شعر یاد ہیں۔ خاص طور پر اسرار لدھیانوی اور محمد علی الدین کے کلام سے بے حد متاثر ہیں اسرار کی مشہور نظم پیر چایاں اکثر سنایا کرتے۔ پھر کئی برسوں کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دن میں نے ”سیاست“ میں اُن کا انتہائی چونکا دینے والا مضمون پڑھا۔ پتہ نہیں وہ ادبی تھا کہ سیاسی۔ بے حد مسرت ہوئی کہ ہمارا ایک دیرینہ رفیق ایک ممتاز قلم کار کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ اس مضمون کے بعد علامہ فرخ سے سیاست آفس میں کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی تھی وہ اپنا کوئی ایک مضمون سیاست میں اشاعت کے لیے لے آتے تو جگر صاحب سے ملاقات کرتے ان کے مضامین خصوصیت و اہمیت کے ساتھ شائع ہوتے رہے (اب بھی شائع ہوتے رہتے ہیں) علامہ فرخ بلند مرتبت خطیب اور صاحب طرز ادیب ہی نہیں ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ وہ شعر بھی کہتے ہیں لیکن نہ تو کسی مشاعرہ میں کلام سناتے ہیں اور نہ ہی ان کا کلام کسی اخبار میں شائع ہوتا ہے وہ اساتذہ کرام کے کلام کی

دل و جان سے قدر کرنے میں ترقی پسند شعاعوں کے کلام کے بے حد دلدادہ ہیں علامہ فرخ سے میری ملاقات نہیں ہونے کے برابر ہے۔ کبھی کبھی فون پر بات ہوتی ہے یا کبھی وہ سیاست آتے ہیں تو ملاقات ہو جاتی ہے زاہد علی خان صاحب سے بھی ان کے مراسم ہیں۔ جب کبھی یادِ ماضی کی پیر چھائیاں ان کے دل و دماغ پر چھا جاتی ہیں تو فون پر دیر تک گفتگو کرتے ہیں۔ علامہ فرخ کے ہاں بادوں کی بہت بڑی دولت ہے پرانی تہذیبی روایات کو اپنے سینے سے لگائے پھرتے ہیں انسانی رشتہ لکپاس داری بھی ان کا مقصد حیات ہے نہایت معقول۔ سیکھے ہوئے انسان ہیں۔ ان کی بے لوث دوستی ایک ایسا روشن پاک صاف آئینہ ہے جس میں کسی قسم کے بھی دھبے نہیں ہیں۔ پاک و صاف ذہن و فکر کی آئینہ داران کی زندگی لکھنؤ کا پتھر ہے پتہ نہیں ان کے اجاب کے حلقوں میں کون کون شامل ہیں لیکن میں اتنا ضرور جاننا ہوں کہ جتنے بھی ان کے اجاب ہوں گے وہ تعلیم یافتہ، شائستہ اور اعلیٰ اقدار کے پاسدار ہوں گے۔ آج ہر معقول انسان اچھے دوستوں کی رفاقت کی سلامتی کے لیے دعا مانگتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کا ہر اچھا دوست انسانیت کا پورا پورا حق ادا کرے۔ اچھے ماحول اور اچھے شام و سحر سے وابستہ رہے علامہ فرخ کا لب لہجہ ہر محفل کے لیے پُرکشش رہتا ہے۔ سب را عزت انہیں بہت ہی پُراثر آواز سے سرفراز کیا ہے ان کے لب لہجہ میں شکستگی اور نر تواری کی علامہ ایک قسم کی مقناطیست ہے جو سامع کو فوری اپنی طرف متوجہ کرتا ہے آج علامہ فرخ ہمارے شہر کے صفِ اول کے دانشوروں میں شمار کیے جاتے ہیں یہ دیکھ کر اُدھان کر ٹھیکے دلی است رہتی ہے میں چاہتا ہوں کہ میرا دوست پور وقار کے ساتھ حاضر ہو ایک نئی قسم حصہ لے رہا ہے۔

# ڈاکٹر ایم اے حفیظ

(مہمد رسیجا - بامروت انسان بہتر یا ادیب)

زندگی کے مختلف شعبوں سے رشتہ رکھنے والے لوگ جیسا کہ کسی ایک خاص شعبہ سے کچھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں تو ان کی صلاحیتوں کے بارے میں نہ تو کچھ زیادہ غور کیا جاتا اور نہ ہی ان کے بارے میں زیادہ سوچا جاسکتا ہے اس لیے کہ اس طرح کے لوگ اپنے مخصوص شعبہ ہی میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنے رہتے ہیں لیکن جب کچھ لوگ ایک سے زائد شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں برابر کا حصہ ادا کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کس شعبہ میں وہ اپنی قابلیت کا زیادہ اظہار کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ جس شخص کو جس انداز سے بھی نوازا جاتا ہے یہ سب اُس کی عنایتوں پر منحصر ہے۔ میں یہاں ایک ایسی ممتاز شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ہمد رسیجا ہی نہیں نامور ادیب بھی ہیں بلکہ ایک بامروت، لشریف الطبع، فقید المثال انسان بھی ہیں۔ ڈاکٹر ایم اے حفیظ دو اہل خانہ اسری میں ہمد رسیجا کی حیثیت سے

زندگی اور موت کی کشمکش سے رشک رکھنے والے انسانوں کی خدمت کرتے  
آ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب دو خانہ اسٹڈی سینٹر ڈاکٹر ہیں جن کے حسن اخلاق  
اور ان کی حوصلہ افزاؤں گفتگو ہی سے مرہن کی ادھی بیماری دور ہو جاتی ہے نہایت  
مخلص ہمدرد انسانیت دوست آدمی ہیں ہزاروں مریعوں کی دعائیں  
لے چکے ہیں اور ہزاروں دعاؤں کے زیر اثر اپنی مطمئن زندگی گزار رہے  
ہیں دو خانہ اسٹڈی کے مقبول ترین ڈاکٹروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔  
ڈاکٹر حفیظ پیشہ میسماٹی میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ قرطاس و قلم کی آبرو  
بھی بیڑا ہے ہیں ایک ادیب اور ایک ممتاز دانشور کی حیثیت سے  
زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے میری شخصی  
ملاقات آج سے دو سال پہلے نظام آباد میں منعقدہ علامہ شاعرہ میں  
ہوئی تھی انہوں نے ازراہ شاعرانہ ذہن مجھے سلام کیا میں مشاعرہ گاہ میں  
نظام آباد کے مقبول ترین شاعر جمیل نظام آبادی سے محو گفتگو تھا۔ حفیظ صاحب  
نے جب اپنا نام بتایا تو میں نے مصافحہ کیا اور مصافحہ کی منزل پر اپنی گرفت کو  
مضبوط رکھتے ہوئے بے حد مسرت محسوس کیا اور دریافت کیا کہ آپ وہی  
ایم اے حفیظ تو نہیں جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اپنے بھرپور سپر اثر  
آواز میں اثبات میں جواب دیا۔ اس ملاقات کے دوران میں نے محسوس  
کیا کہ ڈاکٹر حفیظ میرے لیے اچھی نہیں ہیں۔ سیاست میں شغور شدہ وہ تحریریں  
جو عصر حاضر کے اہم مسائل پر ضبط تحریر میں لائی تھیں ایک ایک کر کے یاد  
آتی رہیں۔ ڈاکٹر حفیظ زندگی کے مختلف مسائل پر قائم فرسائی کا ملکہ رکھتے ہیں

ڈاکٹر حفیظ کو اردو شعروادب سے کافی لگاؤ ہے بہت ہی سلیحامہ ادبی ذوق رکھتے ہیں مشاعروں کے مشوقین ہیں شعرفہمی کی اعلیٰ صلاحیتوں سے مزین ہیں ادبی ٹرسٹ اور شعرجی کے مشاعروں میں برپابندی شرکت کرتے ہیں۔ اجمالی گفتگو کے بعد جو انتہائی خوشگوار فضلاء میں ہوئی۔ میں اُسی ٹوڈ میں شہر نشینی پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر حفیظ بھی سامعین کی اگلی صف میں بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر حفیظ ہر اچھے شعر پر دل کھول کر داد دے رہے ہیں۔ اس مشاعرہ میں کل چند مشاعروں کے نامور شعراء و اہل آکسی، مولج فیض آبادی، ملک زادہ منظور احمد کے علاوہ حیدر آباد کے شعراء میں رئیس اختر اور راقم الحروف بھی شامل تھے مشاعرہ نہایت کامیاب رہا۔ ڈاکٹر حفیظ کے داد دینے کا طریقہ بھی مجھے پسند آیا۔ انتہائی باوقار انداز میں شعراء کو داد و تحسین سے نوازتے رہے۔ اس مشاعرہ کے کچھ مہینوں بعد بزم جوہر کے ادبی اجلاس میں ڈاکٹر حفیظ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ ڈاکٹر حفیظ نے ایک سامع کی حیثیت سے شرکت کی ہے ڈاکٹر راہی نے جب ڈاکٹر حفیظ کو نہ اکراہ میں اظہار خیال کی دعوت دی تو میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتفاق سے میں بھی ممبر کی حیثیت سے شریکِ محفل تھا تبھی اجلاس کو مخاطب کرنا تھا تقریر کے دوران ڈاکٹر صاحب اپنے معلومات و تجربات کا خزانہ لٹاتے رہے ڈاکٹر صاحب بہت دور سے بیکر کش لب و لہجے سے نواز رہے ہیں ان کے ہر جامع جملہ سے مناسبت ہوتا رہا۔ اور دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ اگر اس طرح کی باکمال شخصیتیں قلم کاروں کی فہلوں میں رونق افروز ہوتی لیں تو محفلیں پُر نور ہوتی جائیں گی۔ میں نے ان سے خواہش کی کہ آپ بزم جوہر کے ادبی جلسوں کے علاوہ شہر کی محفلوں میں بھی شرکت

کریں۔ خاص طور پر میرے زیر اہتمام ادبی اداروں میرا شہر میرے لوگ وغیرہ  
 میں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اپنی عظیم الفرصتی کی وجہ سے پوری طرح میری  
 خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنایا سکے۔ گاہے گاہے ہماری محفلوں میں دکھائی  
 دیتے ہیں۔ لیکن میں نے یہ سنا ہے کہ وہ اردو گھر میں مستوفیہ بعض جلسوں  
 اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں مجھے اردو گھر کے بعض مشاعروں میں  
 ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا مشرف حاصل ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اس طرح  
 ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شریک رہتے ہیں کہ اندازہ ہو تو تلہ ہے کہ وہ  
 پوری طرح اس ادبی محفل اور مشاعرہ کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔  
 اخبار سیاست اور مہنف میں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ ان کے مضامین  
 پڑھتا ہوں۔ ایسا نہیں کہ ڈاکٹر صاحب صرف اردو سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں  
 بلکہ ان میں کافی سیکی مشغور ہے ان کا مشاہدہ بہت تیز ہے ان کے  
 تجربات اپنی آپ مثال ہیں ڈاکٹر صاحب دورانِ تقریر اپنے موضوع سے  
 ہٹ کر کوئی اور بات نہیں کہتے۔ شاید یہ اس لیے بھی ممکن ہو سکا ہے  
 کہ وہ ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ لب و لہجے کی  
 شائستگی اور اظہارِ خیال کی برجستگی جب پیرائے لفظوں کا جامہ پہن  
 کر ڈاکٹر حقیقہ کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہے تو وہ نہایت سلیقے سے دامان  
 شعروادب کو ہلکانے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی آواز میں کشش ہے  
 مخاطب کو ان کا انداز گفتگو بے حد پسند آتا ہے جب تک وہ محو گفتگو  
 رہتے ہیں سنتے رہتے کوئی چاہتا ہے ڈاکٹر حقیقہ اپنے برگزیدہ پیغمبرِ طب

سے قسمت پلنے کے بعد کچھ زیادہ وقت اردو ادبیات کی آبیاری کے لیے بھی دینے رہیں تو زبان و ادب کی بڑی خدمت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کی مسیحا نڈ سے یقیناً بہت سے پریشان حال مرلہنوں کے علاوہ اُن مرلہنوں کے لواحقین بھی تعاون حاصل کرتے ہوں گے جہاں تک میری معلومات ہیں خاص طور پر شہر کے بعض شعرا اور ادیب اُن کی خدمات سے استفادہ کرتے رہتے ہیں ڈاکٹر صاحب سے مجھے بھی یہ فائدہ ہوا کہ میں نہ صرف اپنے اہل خاندان کے لیے بلکہ اپنے بعض دوستوں کی مسیحا نڈ کے لیے بھی اُن کی خدمات سے بھرپور استفادہ کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کی سفارش کو سراٹھوں پر بٹھاتے ہیں اُن کی سفارش کی پند بھرانی کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ ان کی انسانی ہمدردی اور شرافت کے گز، گانے کو بچی چاہتا ہے ایک بار نہیں کئی بار۔ ڈاکٹر صاحب انتہائی سلسلہ، محبت پسند اور با فروت انسان ہیں۔ ان کا سلوک ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی نہیں ایک اچھے انسان کی طرح سے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے یہ صحیح ہے کہ ہمارے شہر اور معاشرہ میں شرفا کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے لیکن جب ڈاکٹر حفیظ جیسی انسانیت نواز شخصیتوں کے بارے میں خیال آتا ہے تو لگتا ہے کہ اس دنیا میں گہری تاریکیوں کے باوجود روشنی کی کرنیں اپنے وجود کا بھرپور احساس دلا رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک با شعور ادیب ہیں ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی، فارسی ادبیات سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی زبان بکھری ستھری اور پیرائے شریف ہوتی ہے



ان کا لب و لہجہ چاہے وہ دوران گفتگو سمجھول بیٹا تھا ہو یا خبریروں  
 میں جلوہ افروز ہوتا ہو، ادب عالیہ کی شکل اختیار کیے ہوئے محسوس  
 ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کی مختلف موضوعات پر سوجو و خبریں نا حال  
 کتابی شکل اختیار نہیں کر سکیں۔ پورے مضامین نہ سہی اگر منتخب مضامین  
 کا بھی مجموعہ شائع ہوتا تو زبان و ادب کی بڑی خدمت تھیوگی۔ مبرا مشاہدہ  
 ہے کہ دواخانہ اسری کے تمام ڈاکٹرس اُن کے گرویدہ ہیں ان کا احترام  
 کرنے ہیں جو نمبر ڈاکٹر سے ان کا سلوک مشفقانہ ہے دوستانہ بھی  
 ہے اس لئے کہ ان کی نظر اپنے تمام ساتھی ڈاکٹروں پر یکساں اثر انداز  
 ہوتی ہے اور وہ تمام کے تمام اُن کے حسن سلوک سے متاثر ہیں ڈاکٹر  
 صاحب کی سیمائی کا ایک اعلیٰ وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مخصوص  
 وارڈ کے مریضوں کے علاوہ دیگر وارڈس کے مریضوں کے علاج معالجہ  
 میں دلچسپی لیتے ہیں اور اُن کی ہر ممکنہ مدد کرتے ہیں مریضوں  
 سے بہترین حسن سلوک اور ہمدردانہ طریقہ تشخیص و علاج نے انہیں  
 بے حد مقبول بنا دیا ہے۔ خدا کا کرم ہی تو ہے کہ اُس نے ڈاکٹر صاحب کو  
 دوہری صلاحیتوں سے سرفراز کیا۔ ایک صلاحیت ڈاکٹر کی حیثیت سے تو  
 دوسری ادیب کی حیثیت سے۔ ڈاکٹر حفیظ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو یہ مقام  
 حمایت نگر ضلع ناندیال میں پیدا ہوئے۔ مراٹھی ذریعہ تعلیم سے درجہ اول میں  
 میٹرک کامیاب کیا۔ ۱۹۶۲ء حمایت نگر (ناندیال) میں انٹر میڈیٹ امتحان  
 کامیاب کیا۔ ناندیال ۱۹۶۴ء بورڈ میں فرسٹ کلاس فرسٹ (میرٹ)

ایم بی بی الیہ (۱۹۶۴-۶۹) یہ درجہ اول کا مہتاب کیا۔ ۵ سال سرکاری ملازمت حکومت ہمارا شہر اہلیت ڈپارٹمنٹ میں کی۔ ۵ برس تک بیروت میں قیام رہا۔ اعزازی ملازمت جمعیتہ الہلال الاحمر سوسائٹی میں کی۔ اسی دوران ہائپل کے سپرنٹنڈنٹ بن گئے۔ فلسطینی قائد با سرعرات کے دو اہانوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ تعمیر ملت کے مہیڈیکل مشن کے ساتھ بیروت و لبنان گئے۔ طرابلس لبنان میں ڈسٹی ڈائٹر کڑطیابت کی حیثیت شمالی لبنان میں کام کرنے کا موقع ملا۔ دمشق میں ایک سال کام کیا۔ صحتاء شمالی یمن میں ایک سال کام کیا۔ ایران (نہران) میں ۵ برسوں تک ملازمت کی۔ اسرائیلی اور فلسطینی جنگ کے دوران فلسطینیوں کی طبی خدمت بلا معاوضہ انجام دی۔ انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ۱۹۸۱ میں خصوصی مدعو بن کر حیثیت سے انٹرنیشنل کانفرنس آف اڈکریسٹ سوسائٹی کی دعوت پر حجاب عبد الرحیم قریشی (تعمیر ملت) کے ساتھ بیروت کا دورہ کیا۔ ڈاکٹر حفیظ جب سالوں جماعت کے طالب علم تھے انہوں نے انگریزی میں نظم لکھی۔ اسکول میگزین میں اردو میں مضامین لکھے کالج میگزین کے لیے بھی مضامین لکھے۔ سیاست، رہنمائی، دکن، عوام اور متصف اخبارات میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جو ادبی، فلاحی، اصلاحی طبی و سائنسی موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک، وطن بھینہ میں (عادل آباد) میں ایکلیک چلاتے تھے مختلف ادبی رسائل و اخبارات میں مختلف موضوعات پر۔ ہم سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں علامہ انبال اور آثر لدھیالوی کی شاعری سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔

# جلسہ پاشاہ

(اردو تعلیمی تحریک کے علمبردار۔ لوہاں دواں شخصیت)

معاشرہ میں بااوقات جن باصلاحیت شخصیتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے وہ پوری طاقت کے ساتھ میدانِ عمل میں اُبھرتے ہیں پروردگارِ عالم جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہے وہ کام لاکھ مشکلوں کے باوجود بھی کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ بعض لوگ جن کے بارے میں یہ سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ کچھ ایسے کارنامے انجام دیں گے جو ساری قوم کے لیے مثالی بن جائیں۔ ہمیں معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور جب تک وہ اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچتے اپنا سفر بلا ٹکانہ جاری رکھتے ہیں ان کے راستہ لہذا تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کے لوگ صرف کام کرنا جانتے ہیں وسائل کی پرواہ کیے بغیر میدانِ عمل میں کود پڑتے ہیں اور جب وہ اپنی سرگرمیوں سے والہانہ والیت ہو جاتے

تو خدا ان کی مدد کرتا رہتا ہے۔

جلیل پاشا نے اردو تعلیمی میدان میں اس قد اہم کارنامے انجام دیئے ہیں کہ انہیں اردو کے لیے کام کرنے والے لوگوں میں ہمیشہ عزت و توقیر سے دیکھا جاتا ہے۔ جلیل پاشا ایک فعال کارکرد اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔ جب وہ کسی کام کو انجام دینے کے لیے قدم بڑھاتے ہیں تو اسے سننے کی تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ جلیل پاشا گذشتہ ۳۳ برسوں سے اردو زبان اور اردو تعلیمی تحریک کے لیے ایک چلتی پھرتی مشین کی طرح رواں دواں ہیں یہ تعلیمی کمیٹی ۳۳ سال قبل قائم ہوئی۔ وہ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کے بانی صدر نشین ہیں انوار العلوم کالج کے طالب علم رہے ہیں۔ انہیں اردو زبان سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ جلیل پاشا نے انوار العلوم کالج سے گزرجوشن کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں طلباء یونین سے وابستہ ہو گئے۔ تلگو زبان سے وابستگی کے باوجود انہوں نے اردو زبان سے اپنا رشتہ قائم کیا۔ پرنسپل انوار العلوم کالج جناب خلیل اللہ حسینی صاحب نے انہیں اردو کار کے لیے کام کرنے کی تلقین کی۔ جلیل پاشا اپنی تقریر دیا کرتے ہیں کہ میں نے انہوں نے خلیل اللہ حسینی صاحب کو اپنا آئیڈل بنالیا ہوئے علی میدان میں قدم رکھا ہے جلیل پاشا اردو کے مسائل پر کئی احتجاجی جلسوں میں نمایاں کام انجام دے چکے ہیں۔ بھوک ہڑتالوں میں عملاً حصہ لیا۔ اردو کا پرچم ہاتھ میں لیے حکومت کے دروازوں پر

ہنگ دی۔ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل انسان ہیں۔ اردو تعلیمی مسائل پر جتنے جلے انہوں نے کیئے ہیں شاید ہی حیدر آباد کی کسی انجمن نے کیئے ہوں۔ اردو زبان کے مختلف مسائل پر متعلق حکومت آندھرا پردیش نے جتنے احکامات جاری کیئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے محرک جلیل شاہ ہیں اور جتنے احکامات کا ریکارڈ ان کے ہاں موجود ہے شاید ہی حیدر آباد کی کسی انجمن کے ہاں موجود ہو۔ جلیل شاہ ہیں ایک خاص بات نوٹ کرنے کے قابل یہ بھی ہے کہ انہوں نے کبھی بھی حکومت سے یا اردو والوں سے اپنی محنت کا صلہ نہیں مانگا۔ جلیل پاشا نے کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی جانب سے شہر میں بے شمار جلسوں کا اہتمام کیا۔ کل ہند نوعیت کے تقریباً ۲۴ اردو کانفرنس، سیمینار، سمپوزیم اور اسکیمز کے تعلیمی و فلاحی مسائل کے لیے بھی کئی جلے منعقد کیئے اور اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ چیف منسٹر حکومت آندھرا پردیش ڈاکٹر ایم جی پاریڈی نے جلیل پاشا کو ۱۹۹۰ء میں اردو اکیڈمی کا صدر نشین نامزد کیا تھا۔ جلیل پاشا نے اپنے صدارتی دور میں جو نمایاں خدمات انجام دیں انہیں اردو والے کبھی بھلا نہیں سکتے۔ جلیل پاشا نے جب اردو اکیڈمی کے صدر نشین کی حیثیت سے جائزہ لیا تو انہوں نے سب سے پہلے اکیڈمی کے ظاہری حسن کی بے وفاری کے لیے دلچسپی لی۔ اکیڈمی کے لیے کوئی موٹر نہیں تھی انہوں نے اکیڈمی کے لیے موٹر خریدی۔ بہترین فرنیچر کا انتظام کیا۔ اسٹاف کے لیے ہر ممکنہ سہولیتیں مہیا کیں۔

جلیل پاشاہ تفریباً ۸۱ ماہ تک صدر نشین رہے۔ ہر مستحق شاعر و ادیب کی کتابوں کے مسودوں کو گرانٹ دی۔

میں اردو تعلیمی کمیٹی سے زائد ۲۵ برس سے وابستہ ہوں۔ جلیل پاشاہ سے میرے گہرے مراسم ہیں۔ جب میں سیکریٹریٹ میں تھا ان دنوں جلیل پاشاہ سے اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ محکمہ تعلیمات کے اعلیٰ عہدہ داروں سے ان کے روابط تھا (آج بھی) ہیں) اکثر معاملات میں وہ مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں دوسرے جہان اردو کی طرح۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے ذاتی فیصلہ کو ترجیح دیتے ہیں نہایت حکمت عملی کے ساتھ سب کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ میں یہ بھی کہنے کے موقف میں ہوں کہ جلیل پاشاہ نے کئی اہم شخصیتوں کو اپنے جلسوں میں مدعو کیا ہے۔ آٹھ دن تعلیمی کمیٹی کی جانب سے مختلف موضوعات پر جلسے ہونے رہتے ہیں۔ میں ان کے تفریباً تمام جلسوں میں مدعو رہتا ہوں۔ مولانا ابوالکلام آزاد قومی اردو یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں جلیل پاشاہ نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں اس بات سے کوئی بھی شریف آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ جلیل پاشاہ نے اردو یونیورسٹی کے قیام کے لیے جتنی کوششیں کیں اتنی کوششیں کسی اور نے نہیں کی۔ ویسے یونیورسٹی کے قیام کے دعویدار بہت سے ہیں جو کہتے ہیں کہ انہوں نے اہم رد ادا کیا۔ جلیل پاشاہ قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی کے رکن متفرر کبے گئے ہیں۔ کانگریس

پارٹی سے برسوں ان کا تعلق رہا۔ حکومت کے سربراہوں نے ہمیشہ ان کے تعلقات خوشگوار رہے۔ خاص طور پر محکمہ تعلیمات کے اعلیٰ عہدہ داروں سے بہت زیادہ قریب رہے۔ محکمہ تعلیمات کے عہدہ داروں سے اردو اور اردو تعلیمی مسائل کے سلسلے میں کامیاب نمائندگی کر کے کمیٹی کی جانب سے مشاعروں کا بھی انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے جس سے مستفیدین صلاح الدین نیئر اور رئیس اختر رہا کرتے۔

جلیل پاشا کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی سالانہ تقاریر شادار پیمانے پر منعقد کرتے ہیں۔ انہنٹائی مخلص

دوستی کے قابل انسان ہیں۔ اردو کا زکے لیے انہوں نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی ہے۔ جلیل پاشا نے اندر اپریہ دشنی گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طبابت کے لیے کامیاب کوشش کی۔ انہوں نے اپنی ذاتی کوشش سے کالج بلڈنگ کے لیے سابق ایم پی جناب ایم۔ ایم ہاشم سے ایک کروڑ ۲۵ لاکھ روپے ایم پی فنڈز سے حاصل کیے۔ ان ہی کی کوششوں سے حیدرآباد میں ترقی اردو بیورو وزارت قروڑ

انسانی وسائل حکومت ہند کی جنوبی ہند کی شلخ کا قیام ۱۹۸۲ء میں عمل میں آیا۔ گورنمنٹ گرلز جو نیئر کالج ناپہلی میں ۱۸ سال سے مرکز خوش نویسی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ جلیل پاشا کے کچھ مخصوص دوست ہیں جو ان کے جلسوں میں لازماً دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں، میں اور رئیس اختر بھی شامل ہیں۔ جس نے میں وہ

اُردو اکیڈمی کے صدر نشین تھے اُن دنوں اردو اکیڈمی کا بجٹ بہت کم تھا جلیل پاشا نے اپنی شخصی کوششوں سے سالانہ ۴۰ لاکھ گرانٹ منظور کروائی۔ جلیل پاشا کی صدر نشینی کے زمانے میں اکیڈمی کے سکریٹری مسعود بن سالم تھے جنھوں نے جلیل پاشا کا بہت زیادہ ساتھ دیا اور اپنے مفید مشوروں سے اکیڈمی کی کامیابی کا مہم جو سرگرمیوں کو بڑھایا۔ جلیل پاشا بلا جھجک 'جرائد' کے ساتھ اردو کے مسائل حکومت کے سربراہوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ چاہے وہ کانگریسی حکومت ہو کہ تلگودیشم حکومت، جلیل پاشا سے تعاون حاصل کرتی رہی۔

جلیل پاشا میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اس کو پاریہ تکمیل کو پہنچانے تک دم نہیں ہٹتے جلیل پاشا کا ہر اس جگہ نام لیا جاتا ہے جہاں اردو سے متعلق مسائل کا ذکر چسپڑا جاتا ہے۔ زائد از ۳۰ برس سے اردو تعلیمی تحریک کے مشعل بردار رہے ہیں اور اُن کی پیچھے محبانِ اردو کا تاغملہ رواں دواں ہے۔



# افضل حسین

مثالی دوست، شریف النفس انسان

وہ لوگ جو اولین ملاقاتوں کی یادگار ہوتے ہیں برسوں گزرنے کے باوجود بھی بھلائے نہیں جاسکتے اور پھر وہ لوگ جو اپنی محنت، شرافت اور اپنی بے ساختہ البتگی کا مظہر ہوا کرتے ہیں ان کو بھولنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ایسے ہی لوگ نہ ندگی کے آخری لمحوں تک رفیقِ دل کی طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں افضل حسین بھی میرے ایک ایسے ہی دوست ہیں جو مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔ نہایت ایماندار، فطرس، محبت شناس، دوستی کے قابل انسان ہیں نہایت اعلیٰ ظرف، باکردار، اصول پسند اور بے غرض مراسم کے آئینہ دار افضل حسین سے اگرچہ برسوں ملاقات نہیں ہوتی لیکن میں انہیں ہر وقت اپنے قریب پایا کرتا ہوں افضل حسین سکریٹریٹ سے اسسٹنٹ سکریٹری کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ اُن سے میری پہلی ملاقات محکمہ ڈائریکٹر کینیوٹی پراجکٹ میں ہوئی تھی جہاں ان کا تقرر بحیثیت ٹائپسٹ ہوا تھا افضل حسین کے تقرر سے کچھ عرصہ پہلے

اسی محکمہ میں بہ حیثیت کلرک میر انقر ہوا تھا میجر گرو سوامی ڈاکٹر کرتھے۔ افضل حسین کے علاوہ خواجہ بہا الدین، خواجہ معین الدین، علیم الدین، پیر عبا کراؤ کشیا کرن، علی نواز خان اور سنیر اسٹاف میں محمد عتوری، محمد افضل، عبد الرحیم اور مشتاقی کلرڈ وغیرہ تھے تلنگانہ کے کافی لوگ اس محکمہ میں ملازم تھے ہمارا ایک اچھا خاصہ حلقہ بن گیا تھا لیکن بہت جلد ہمارا محکمہ سکریٹریٹ میں ضم ہو گیا جب ۱۹۵۶ء میں لسانی بنیاد پر ریاست کی تشکیل جدید عمل میں آئی تو ہمارا محکمہ بھی بعض محکموں کی طرح سکریٹریٹ میں ضم ہو گیا ہم تمام سکریٹریٹ کے پلاننگ محکمہ سے وابستہ ہو گئے۔ اس محکمہ میں کچھ ملازمین پہلے ہی سے برسر کار تھے لیکن تنظیم جدید کے وقت علاقہ آندھرا اور علاقہ تلنگانہ کے ملازمین ایک ساتھ آئے۔ آندھرا اور تلنگانہ کے ملازمین کی سینا رٹی کی فہرست مشترکہ ترتیب دی گئی۔ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ میں میری تعیناتی قصیدہ انتظامی (۵۰۲۰۱) میں ہوئی اول افضل حسین کی اکاؤنٹس سکشن میں ہوئی آندھرا اور تلنگانہ ملازمین کے ملاپ نے ایک نئی صورت حال کو جنم دیا۔ اور ملازمین آندھرا خیدر آباد کے ماحول میں ڈھلنے لگے۔ بعض ملازمین آندھرا اردو میں بات کرنے تھے ہندو پنج تمام ملازمین آندھرا اردو میں بات کرنے کے قابل ہو گئے۔ برخلاف اس کے ملازمین تلنگانہ تلگو میں بات کرنے میں تھک محسوس کرنے تھے بعض ملازمین تلنگانہ تلگو سے قطعی نابالغ تھے وہ اپنے آندھرا ملازمین سے انگلیزی میں بات کرتے تھے بعض آندھرا ملازمین کرنل، کسٹریڈ، اسٹنٹ پورجیے اضلاع سے تعلق رکھتے تھے جہاں اردو زبان بولی جاتی تھی وہ بہ آسانی اردو میں بات کرنے لگے کچھ

ہی برسوں کے بعد صافی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ تلنگانہ ملازمین کے مقابلے  
 میں آندھرا ملازمین کی تعداد میں اضافہ ہو کر ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تقریباً  
 تمام بڑے عہدوں پر ملازمین آندھرا فائزر تھے یہاں تک کہ سکشن آفیسروں میں  
 بھی ان کی ایجنسی خاصی تعداد تھی آندھرا ملازمین کو اپنی برتری کا احساس تھا  
 وہ تلنگانہ ملازمین کو دوسرے درجہ کے شہری سمجھتے تھے لیکن اس صورتحال کا  
 متقابل کرنے والے کچھ ملازمین تلنگانہ موجود تھے جب تلنگانہ کے ساتھ نا انصافی  
 کی جملے لگی۔ ان کی سیناریو میں مناشر کی جانے لگی تو تلنگانہ ملازمین کی ایک ایسی ایشن  
 متحرک ہو گئی۔ اور ہر نا انصافی کے خلاف حکومت کے دروازوں پر دستک دی  
 جاتی رہی۔ تلنگانہ ملازمین اپنی سیناریو اور اپنی قابلیت کی وجہ سے ترقی پاتے تھے  
 مجھے سکشن آفیسر (گزٹڈ) ترقی ملاج میں ۱۲ برس اس عہدہ پر رہا۔ افضل  
 حسین بھی سکشن آفیسر بن گئے میرے ریٹائرمنٹ کے بعد افضل حسین اسٹنٹ  
 سکریٹری بن گئے اور ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ایک اہم عہدہ پر کام کرتے رہے  
 ہماری دونی اعتبار ہی سے مستحکم رہے۔ نیا بیت راج ڈیپارٹمنٹ میں میرے  
 علاوہ پیر ہا کرادیک، شپا کرن، نر سہار دیو، ارجن، الہا آپس میں بہت اچھے  
 دوست رہے ہم تلنگانہ کے ماحول اور اردو زبان و حیدر آبادی تہذیب کو پروان  
 چڑھانے میں بہت اہم گنت رہے۔ اہل نہ ہے جب ہم لوگ ۱۹۵۶ء میں سکریٹریٹ میں  
 داخل ہوئے اس وقت غالباً ہم بڑے تلنگانہ کے ملازمین موجود تھے تلنگانہ  
 کے اتنے زیادہ ملازمین ہوئے کہ باوجود کوئی اردو ایسی ایشن نہیں تھی۔ میں نے  
 اپنے دوستوں، خواجہ بہار الدین، علیم الدین، افضل حسین، علما نواز خان، کشن کر

پر رہا کرواؤ حکم تعلیمات کے سائنسی عیناس ہاشمی کی مشاورت سے سکریٹریٹ اردو  
 اسوسی ایشن قائم کی اور حجب تک ہم سکریٹریٹ میں رہے عظیم الشان  
 یہیلنے پر سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی ادبی نقاریب و متاعرے مستفید  
 کرنے لگے رہے۔ اب بھی سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا وجود باقی ہے لیکن اس  
 کی سرگرمیاں بڑی حد تک ماند پڑ گئی ہیں میں ریٹائرمنٹ کے باوجود  
 اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتا رہا۔ کئی پروگرامس میں تعاون کرتا رہا  
 شکیل احمد اسوسی ایشن کے سکریٹری تھے انہوں نے میرے مشورہ سے بعض اچھے  
 پروگرامس کیے لیکن دو سال پہلے وہ کینیڈا چلے گئے اب سکریٹریٹ میں کوئی  
 ایک شخص ہی ایسا دکھائی نہیں دیتا جو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں  
 کو جاری رکھے۔ افضل حسین ایک اچھے افسانہ نگار بھی ہیں ممتاز کاظمی ان کا قلمی  
 نام ہے انہوں نے اسوسی ایشن کے آل انڈیا پروگرام میں کئی بار اپنے افسانے  
 سنائے۔ انہیں اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے کنا میں پڑھنے کا بہت  
 شوق ہے آفس کے کام میں ماہر تھے ساری ملازمت انہوں نے بینک نانی کے ساتھ  
 گزاری۔ انتہائی فرض شناس ذمہ در شخص تھے ریٹائرمنٹ کے بعد کئی برس تک  
 ایک اسکول چلاتے رہے سکریٹریٹ میں خواجہ بہاء الدین، علیم الدین کی طرح  
 افضل حسین بھی میرے انتہائی قریب ترین دوست رہے۔ افضل حسین نہایت  
 خوددار، باحوصلہ، باکردار انسان ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اپنے  
 انسروں کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ان کا تمام مہنت ملازمت آئینہ کی  
 طرح پاک و صاف رہی۔ نہایت دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو

بھلتے رہے۔ افضل حسین سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی ہر تقریب میں مصافحہ  
 دیتے رہے۔ میرے بہت اچھے دوست ہیں ان سے ٹھیکے قلبی لگاؤ ہے جتنی  
 اچھی ان کی اردو ہے اتنی ہی اچھی ان کی انگریزی بھی ہے خاص طور پر ہوم  
 ڈیپارٹمنٹ میں بہ حیثیت اسٹنٹ سکریٹری نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان  
 کی ملازمت کا زیادہ مدت پہنچایت راج ڈیپارٹمنٹ میں گزری۔ محکمہ کے افسروں  
 سے ان کے اچھے مراسم تھے وہ ان کے بہترین کام کی مستائش کرنے تھے خود افضل حسین  
 نے بھی کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ سکریٹریٹ میں ہم دونوں شورو شکر کی طرح بٹ  
 میرے ریٹائرمنٹ کے ۲، ۳ سال بعد افضل حسین بھی ریٹائر ہوئے۔ اگر میں اپنے دوست  
 اپنی رفاقتوں کی تفصیل لکھتا ہوں تو کئی صفحات درکار ہوں گے میں نے یہ فیسوس  
 کیا ہے کہ افضل حسین کبھی بھی آفس کی ذمہ داریوں میں تنہا ملی سے کام نہیں لیا۔ وہ  
 کبھی کوئی کام پینڈنگ میں نہیں رکھتے تھے آفیسر کی میٹنگ میں ہمیشہ پوری  
 تیاری کے ساتھ جاتے تھے ہر سوال کا جواب ان کے پاس رہتا تھا۔ جس حکمہ میں  
 بھی رہے اپنی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت دیتے رہے۔ ابتدائی ملازمت سے لے کر  
 اسٹنٹ سکریٹری کی ذمہ داری تک کبھی بھی سلسلے میں رشوت نہیں لی حالانکہ ہر حکمہ میں  
 رشوت کا بازار گرم رہا کرتا ہے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا سیرادرا نہ سلوک رہا  
 بلا تخصیص مذہب و ملت و علاقہ سب کے ساتھ مل کر رہے یقیناً وہ اپنے آپ  
 پر فخر کر سکتے ہیں کہ ساری سروس میں ان کا دامن آلودہ نہیں ہوا۔ افضل حسین جیلاکار  
 ہی میں ہیں لیکن ان سے ہر سو ملاقات نہیں ہوتی۔ اب تو وہ کچھ زیادہ ہی مہم و  
 مشغولہ کے پائید ہو گئے ہیں مذہبی معاملات میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔

# ڈاکٹر اندو ششٹ

(ہندی اردو کی نامور شاعرہ - ممتاز عثمانیہ)

ہمارا شہر محبت حیدر آباد فرخندہ بنیاد جہاں گنگا جمتی نہند ہے  
 آپسی بھائی چارگی اور تہذیبی و ثقافتی روایات کے لیے شہرت رکھتا ہے  
 وہیں لسانی ہم آہنگی کے لیے بھی مشہور ہے بالخصوص اردو ہندی کی  
 بعض انجینئرز اپنی آپس مثال ہیں۔ اردو ہندی کے ادبی جلسوں اور مشاعروں  
 میں دونوں زبانوں کے اہل قلم اور صاحبانِ ذوق شریک رہتے ہیں۔  
 ایک زمانے میں اس ترقی اردو کے ہر گھرے جلسے میں ہندی کی بڑی انجمنوں  
 ہندی پریس سوسائٹی وغیرہ کے سربراہوں کے علاوہ ہندی کے شاعر و ادیب لازماً  
 شرکت کرتے تھے بلکہ کسٹری، سرہٹ، تلگو زبانوں کے دانشور بھی شریک رہتے تھے  
 جاسم عثمانیہ بھی ان تمام زبانوں کی اعلیٰ تعلیم ہو کر تھی ہے نہ صرف آج بلکہ قیام  
 جاسم عثمانیہ کے زمانے سے ہی اس طرح کا ماحول رہا ہے ہمارے شہر میں ادارہ  
 میرا شہر میرے لوگ، خوشنید احمد جانی، مہر علی اکیدھی اور سوغات نظر اور

ہندی کی انجینئری گیت چاندنی اور ہندی بیکھک سنگھ کے جلسوں اور مشاعروں میں اردو ہندی کے شاعر و ادیب شرکت کرتے ہیں۔ انجن ترقی اردو ادارہ ادبیات اردو اور ہندی پر چار سہاکی محفلوں میں بھی دونوں زبانوں کے شاعر و ادیب شریک رہا کرتے ہیں ہندی اور اردو کی کچھ اور انجمنوں نے بھی اس روایت کو باقی رکھا ہے اس طرح کی سانی ہم آہنگی کا ماحول جامعات اور کالجوں میں بھی ملتا ہے غرض یہ کہ ہمارا شہر اپنی اعلیٰ روایات کی پاسداری کرتے ہوئے اعلیٰ اقدار کی نگرانی کیا کرتا ہے اس طرح کٹے چلے ماحول کی پیروی ہندی کی نامور شاعرہ ڈاکٹر اندو وشنٹ بھی ہیں جنہیں عثمانیہ ہونے پر فخر حاصل ہے اگرچہ ان کی پیدائش بھنوی میں ہوئی لیکن حیدرآباد میں سکونت کے بعد یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ ڈاکٹر اندو وشنٹ حیدرآباد کی ہندی شاعرانہ سر فہرست ہیں اور ان کا یہ خصوصی موقف گذشتہ ۲۵ برسوں سے برقرار ہے ڈاکٹر اندو وشنٹ نے جامعہ عثمانیہ سے ہندی میں ایم اے کیا۔ اور یہیں سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ کئی برسوں تک ہندی ہما دو یا لیب (ہندی کانج) میں پکھرار رہیں پھر جامعہ عثمانیہ میں ہندی کی پکھرار کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ جہاں ترقی کرتے ہوئے ریڈر بنیں پروفیسر بنیں اور صدر شعبہ ہندی کی حیثیت سے بھی کام گزار رہیں۔ جامعہ عثمانیہ سے ہی وظیفہ محنت پر سبکدوش ہوئیں مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے ہندی آرٹس کانج کے ایک مشاعرہ میں انہیں دیکھا اور سنا تھا یہ میری پہلی ملاقات اور شناسائی اردو ہندی کے ممتاز ادیب

بشورہ رادھندی آرٹس کالج کے پرنسپل تھے ڈاکٹر اندو وشنٹ اس کالج میں  
ہندی کی بکچر تھیں کیٹھور راو صاحب کی زیر نگرانی ہندی بھاو دیالہ میں شاعرہ  
کا انفراد عمل میں لایا گیا تھا مجھے اردو کے شاعری حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا  
مشاعرہ میں میں نے ڈاکٹر اندو وشنٹ کو پُر سوز ترنم میں کلام سناتے ہوئے  
دیکھا اور اس قدر متاثر ہوا کہ جی جانتا تھا کہ اُن سے اُن کا کلام سننا ہی بہت  
ڈاکٹر اندو وشنٹ کی ہندی شاعری، اردو شاعری کے بے حد قریب ہے میں  
تو انھیں اردو ہندی کی نامور شاعرہ مانتا ہوں اس لیے کہ ان کی شاعری کی  
زبان خالص ہندوستانی ہے نہ تو پوری طرح اردو نہ پوری طرح ہندی۔  
ڈاکٹر اندو وشنٹ اردو کی طالبہ نہیں رہیں لیکن انھوں نے جامعہ عثمانیہ اور  
حمید آباد کے اردو ماحول سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ ہمارے شہر میں جب اہلی  
ٹرسٹ اور بعد میں خوشنکرتی میموریل سوسائٹی کے کل ہند معرودوں کا آغاز ہوا تو  
میں نے ایک دن جناب محبوب جگر اور عابد علی خان صاحب سے کہا کہ ہمارے  
شہر میں ہندی کی ایک اعلیٰ درجہ کی شاعرہ ہے جنھیں شاعروں میں مدد کیا جاسکتا ہے  
اگر ہندی کے ممتاز شاعر نہپال سنگھ ورما کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اندو وشنٹ کو  
بھی مدعو کیا جائے تو لسانی ہم آہنگی کو تقویت پہونچے گی۔ ان کے کلام سے حمید آباد  
کے ہزاروں شائقین مشاعرہ استفادہ کر سکیں گے جگر صاحب اور عابد علی خان  
صاحب کو میرا مشورہ پسند آیا اور اُن کے ارشاد کے مطابق میں نے ڈاکٹر اندو  
وشنٹ کو سیاست آفس آنے کے لیے کہا وہ نہپال سنگھ ورما کے ساتھ آئیں  
اور پھر جگر صاحب کی خواہش پر اپنا کلام سنایا۔ جگر صاحب اور عابد علی خان صاحب



نے اُن کے کلام کو بے حد پسند کیا اور سیاست میں اشتاعت کے لیے اُن سے کلام میرے توسط سے حاصل کیا اندو و شنٹ کا کلام ہندی رسم الخط کے ساتھ اردو رسم الخط میں ہی شائع ہوا سیاست اخبار اور ان دو بڑے مشاعروں کی دوستی سے ڈاکٹر اندو و شنٹ کی اردو حلقوں میں پہچان بن گئی۔ ڈاکٹر اندو و شنٹ کا بہت سارا کلام سیاست اخبار میں چھپتا رہا۔ ادنیٰ ٹرسٹ اور شکر جی میموریل کے مشاعروں میں ادھر کچھ عرصہ سے اپنی ناسازئی مزاج کی وجہ سے شرکت نہیں کر رہے ہیں سیاست اخبار ان کی شاعرانہ پہچان کے لیے بہت بڑا معاون رہا۔ پھر ان دو بڑے مشاعروں میں شرکت نے بھی ان کی شناخت میں کافی اضافہ کیا۔ ڈاکٹر اندو و شنٹ سے جب میرے شاعرانہ مراسم بطرف سے لگے تو میں نے انہیں اپنے زیر اہتمام ہر میاری مشاعروں میں مدعو کرتا شروع کیا یہاں تک کہ میں نے راشٹر پتی نیلائم میں ڈاکٹر شکر دیال شرما صدر جمہوریہ ہند کی زیر سرپرستی منعقدہ مشاعرہ میں بھی مدعو کیا اور راج بھون کے مشاعروں میں بھی مدعو کرنا رہا جبکہ جناب کرشن کانت گورنر آندھرا پردیش نے ڈاکٹر اندو و شنٹ کو بعض کل ہند مشاعروں میں بھی اپنی معرفت مدعو کیا جن میں مدراس، جمشید پور، پیر بھئی، نانڈیہ، گلبرگہ وغیرہ کے مشاعرے قابل ذکر ہیں جدو آریاد میں ادارۃ میرا شہر میرے لوگ اور ایوان پرنس معظما جاہ شہج کے مشاعروں میں ڈاکٹر صاحب کی شرکت میرے مشاورت سے ہوئی رہی۔ پھر میں نے ایک دن بانی محفل خوانین ممناز شاعرہ عظمت عبدالقیوم سے ان کا تعارف کروایا اور وہ میرے مشورہ

سے محفلِ خوانین سے وابستہ ہو گئیں۔ محفلِ خوانین کے عام جلسوں کے علاوہ سالانہ جلسوں میں شرکت کرتی رہیں محفلِ خوانین کے زیرِ اہتمام منعقدہ عزلوں کی رات تقاریب میں محفلِ موسیقی میں اُن کا کلام ساز پر پیش کیا جاتا رہا۔ محفلِ خوانین کے ادبی میگزین میں اُن کا کلام شائع ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحبہ کو اردو ہندی کے بعض خصوصی ادبی تقاریب و متاعروں میں ایوارڈز دیے گئے۔ ڈاکٹر اندو و شنسٹ جیدر آباد کے تمام اردو حلقوں میں اپنی مخصوص شناخت رکھتی ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی نائب صدر اور محفلِ خوانین کی نائب صدر رہ چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ کا ترجمہ بے حد متاثر کن ہوتا ہے اپنا کلام ترجمہ میں سناتی ہیں شاید ہی کبھی اہنود نے نخت میں کلام سنایا ہو۔ ڈاکٹر اندو و شنسٹ یا وقار معتبر، شائستہ و شگفتہ شاعرہ ہیں۔۔۔۔۔ ہندی کے ادبی حلقوں میں ڈاکٹر صاحبہ کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے اتنا ہی اردو حلقوں میں بھی انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے نہیال سنگھ ورمانے ڈاکٹر صاحبہ کی شاعرانہ پہچان کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر اندو و شنسٹ ہندی کی کئی انجمنوں سے وابستہ ہیں گیت چاندنی کی صدر ہیں ہندی بیکھک سنگھ سے بھی ان کی وابستگی ہے سچ تو یہ ہے کہ ادھر زائد از دو دہوں یعنی ۲۰، ۲۵ برس سے نہیال سنگھ ورمانے اردو ہندی کی ملی جلی تقاریب کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں خاص طور پر گیت چاندنی کا کوئی ایسا مشاعرہ نہیں رہتا جس میں اردو کے شاعر شرکت نہ کرتے ہوں۔ اس وقت ہی نہیں کئی برسوں سے گیت چاندنی

مشاعروں اور ادبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں ہندی کی سب سے زیادہ سرگرم عمل  
 انجمن ہے۔ گیت چاندنی کے زیر اہتمام کئی غیر منفذی جلسے بھی ہوتے ہیں جس میں  
 ہندی اُردو کے بعض اہم اہل قلم خواہن و حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے اُردو  
 حلقوں میں میرے علاوہ ہاشم حسن سجد سے ڈاکٹر صاحبہ کے اچھے مراسم  
 ہیں جس زمانے میں ہاشم حسن سجد جامعہ عثمانیہ سے اُردو میں ایم اے کر رہے  
 تھے اسی زمانے میں ڈاکٹر اندو وشنٹ ہندی میں ایم اے کر رہے تھیں۔ ڈاکٹر  
 اندو وشنٹ کی زیر نگرانی کئی طالب علموں نے ایم فل کی حکیلی کی اور پی ایچ ڈی  
 کی ڈگری لی۔ ڈاکٹر صاحبہ جامعہ عثمانیہ کی قابل اساتذہ میں شمار کی جاتی ہیں۔  
 ہندی چھاو دیالیہ میں بھی ایک کامیاب اور مقبول استانی رہیں۔ ان کا کلام  
 ملک بھر کے معیاری ہندی رسالوں اور اخباروں میں شائع ہونا رہتا ہے  
 ڈاکٹر صاحبہ کا کلام آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے دونوں شعبوں (ہندی۔  
 اُردو) کے زیر اہتمام نشر ہونا رہتا ہے دور درشن سے بھی ہندی۔ اُردو  
 کے مشاعروں میں کلام سنا چکی ہیں اُردو ادبی انجمنوں کے علاوہ ہندی کی ادبی  
 انجمنوں اور اداروں کی جانب سے ڈاکٹر صاحبہ کو ایوارڈز مل چکے ہیں۔ کئی  
 کتابوں کی مصنف اور مولف ہیں۔ حال ہی میں گیت چاندنی اور مہمان ہندی  
 کی جانب سے شایان شان سپیاتے پر ڈاکٹر اندو وشنٹ کی خدمات کے  
 اعتراف میں ادبی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں ہندی اُردو کے قلم کاروں  
 نے ان کی شخصیت اور فن پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اُردو کے قلم کاروں میں راقم الحروف  
 بھی شامل تھا۔

# انجم قمر سوز

ممتاز شاعرہ پہلی غزلوں کی رات کی کنوینر

کچھ نام ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی معنویت کا وجہ سے سننے والوں کو تجسس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ انجم قمر سوز بھی ایک ایسا ہی نام ہے اس نام کے سمجھے ایک ایسی شخصیت کا وجود جلوہ فرم ہے جو اپنی ہمہ جہتی خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف اپنے فائدان بلکہ رشتہ داروں اور دوستوں میں بھی پسند کی جاتی ہیں۔ جب میں نے پہلی دفعہ یہ نام سنا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ شاید اس نام کے پیچھے کوئی غیر معمولی شخصیت ہوگی۔ انجم آپا مجھ سے عمر میں چھوٹی ہیں لیکن پتہ نہیں کیوں میں نے انجم قمر سوز کے بجائے انجم آپا کہنے کو ترجیح دی (شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں ان کا احترام بھی کرتا ہوں) کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے پہلی ہی ملاقات کے بعد ہی کسی نہ کسی رشتہ سے منسوب ہونے کو خود بہ خود جی چاہتا ہے۔ ایک شاعرہ میں میں نے انجم قمر سوز کو پر دے کے دیکھے سے پیر سوز نثر نم میں کلام سلقے ہوئے سنا۔ اس نئی شاعرہ کا کلام ادب تر نرم مجھے پسند آیا۔ کچھ دن گزر گئے پھر یوں ہوا کہ ایک دن میرے ایک شاعر

دوست زاہد کمال کے بڑے بھائی مرزا صاحب نے جو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد میں کسی شعبہ کے منتظم تھے مجھ سے اپنے گھر کی مخصوص محفل شعر میں شرکت کرنے کی خواہش کی۔ اُن کا گھر ڈاکٹر فرید الدین کے مکان کے روبرو تھا۔ اُس محفل میں ہی انجم فرسوز نے چلمن کے بیٹھے سے کلام سُنا لیا تھا۔ اُن دنوں عمر میز فرشی پیر و گرام انگریز بیکو آل انڈیا ریڈیو خاتون شعراء کا ایک مشاعرہ کرنا چاہتے تھے وہ جلتے تھے کہ میں نہ صرف رسالہ خاتون دکن سے وابستہ ہوں بلکہ روزنامہ سبیا رت کے شعبہ شعر و سخن سے بھی تعلق رکھتا ہوں اس لئے ایسے موقع پر تھا کہ میں شاعرات کو آل انڈیا ریڈیو کے مشاعرہ میں مدعو کرنے کے سلسلے میں اُن سے بھرپور تعاون کروں گا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں شاعرات کو مدعو کرنے کے سلسلے میں اُن سے تعاون کروں۔ میں نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ اُس مشاعرہ کے لیے تقریباً ۱۵ اشعار کو مدعو کیا گیا تھا۔ میں نے نئی شاعرات میں انجم فرسوز کا نام بھی تجویز کیا ریشہ انداز یا دیگر مشاعرہ آل انڈیا ریڈیو کے احاطہ میں مدعو سامعین کی موجودگی میں ہوا تھا مشاعرے کی اس محفل میں شہر کے ممتاز شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور با ذوق خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی تھی گراما کام تھا قضا میں خود شگوارا حول کی بھیستی بھیستی خوشبو عیسیٰ گئی تھی سارا ماحول معطر تھا۔ مشاعرہ سننے والے اس قدر شائستہ تھے کہ محسوس ہو رہا تھا کہ سب کے سب ایک ہی فائدان کے لوگ ہیں آداب محفل، انداز گفتگو، ملاقات کے طور طریق، سارے ماحول میں شگفتگی کا احساس دلایا ہے تھے۔ میں اپنے شاعر

دوستوں کے ساتھ پہلی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ خواتین کی نشستوں کے لیے مشاعرہ گاہ میں دائیں جانب انتظام تھا مشاعرہ کے آغاز سے قبل کسی نے مجھ سے کہا کہ شعیہ خواتین سے کوئی محترمہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ میں ان صاحب کے ہمراہ چلا گیا جیسے ہی میں خواتین کے سکتش کے قریب پہونچا تو ایک اجنبی مگر جانی پہیانی آواز نے مجھے مخاطب کیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں انجم قمر سوز ہوں ویسے بھی میں نے دیکھتے ہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ انجم قمر سوز ہی ہیں۔ بعد میں نے انجم قمر سوز کو اس مشاعرہ میں پہلی دفعہ دیکھا تھا اس مختصر تعارف کے بعد میں اپنی صف میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد مشاعرہ شروع ہوا۔ انجم قمر سوز نے پھر سوز نغم میں ایک خوبصورت غزل سنائی۔ سامعین نے داد و تحسین سے نوازا۔ انجم قمر سوز کا یہ پہلا مشاعرہ تھا جس میں انہوں نے پردہ سے باہر آکر کلام سنایا تھا مشرقی تہذیب سے آراستہ اس مشاعرہ نے اپنے پھر سوز کلام سے ساری محفل کو متاثر کیا تھا اس مشاعرہ کے بعد سے انجم قمر سوز سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ محفل خواتین کی پہلی غزلوں کی رات کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ میں نے صدر محفل خواتین عظمت عبد القیوم سے انجم قمر سوز کا تعارف کر دیا۔ انجم قمر سوز محفل خواتین کی رکن بن گئیں عظمت آپا نے میرے مشورہ سے انہیں غزلوں کی رات کا کنوینر نامزد کیا۔ غزلوں کی رات کے پیر و گرام کے سلسلے میں مجھے انجم قمر سوز سے بار بار ملنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ اس کامیاب محفل موسیقی کے بعد بھی انجم قمر سوز سے ملاقاتیں ہوتی رہیں کبھی مشاعروں کے سلسلے میں تو کبھی مجموعہ کلام کی اشاعت کے بارے میں۔

ملاقاتیں جب زیادہ بڑھنے لگیں تو ہم دونوں تکلفات کے دائرہ سے باہر  
 نکل کر بمبائی ہمن کے پاکیزہ رشتہ سے منسلک ہو گئے۔ یہ رشتہ اب بھی  
 اسی تازگی و شگفتگی اور جذباتی ہم آہنگی کے ساتھ برقرار ہے۔ انجمن آپا ایک  
 بارہ صفت شخصیت کی مالک ہیں۔ میں اکثر ان سے خفا ہا کرتا تھا پھر  
 خود ہی اپنے طور پر ان کے گھر جاتا۔ انجمن آپا نے ہمیشہ خلوص دل سے میرا استقبال  
 کیا۔ انجمن آپا کے مزاج میں پہلی ملاقات کے وقت جو شگفتگی تھی آج بھی برقرار  
 ہے آج بھی سرسبز و شاداب پھولوں کی طرح اپنے اہل خاندان، رشتہ داروں  
 اور دوستوں میں اپنے خلوص کی خوشبو بانٹتی رہتی ہیں۔ انجمن فرسوز کی شائستہ  
 طبیعت، شرافت و نفس، مزاج کی نرمی اور روابط کی پاسداری نے مجھے ہمیشہ  
 ہی متاثر کیا۔ میں ان کے رکھ رکھاؤ، انداز گفتگو اور لب و لہجے کے نیکی بن  
 کے علاوہ ان کی شعری، ادبی و تہذیبی صلاحیتوں اور سچے ہوئے انداز فکر کا  
 قائل ہوں۔ انجمن فرسوز ایک خوشحال گھرانے کی حیثیت و چراغ ہیں جن کا سارا  
 گھرانہ شعر و نغمہ کے ماحول سے پرشاد ہا کرتا ہے۔ انجمن فرسوز کا مجموعہ کلام  
 سوزِ فر ۶۱۹۹۴ میں شائع ہو چکا ہے۔

(ماخوذ سلسلہ پھولوں کا ۶۱۹۹۴)

# فاطمہ نسرتین

(گل تازہ کی طرح ہلکنے والی شخصیت و شاعرہ)

ہر شخص کو اپنی زندگی میں کچھ ایسے انسانی رشتوں سے بھی تعلق رہتا ہے جن کو کوئی خاص نام نہیں دیا جاسکتا۔ بظاہر بعض رشتے اس قدر اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں کہ جن کی شناخت سے بھی رشتوں کا وقار متاثر ہوتا ہے ایسے ہی ایک رشتہ سے مجھے بھی سالفہ پیر افتخار اس رشتہ کو کوئی ایک اچھا سا نام دینے کے لیے مجھے بہت دن لگے اور اس رشتہ کی پاکیزہ شکل فاطمہ نسرتین سے گل تازہ کی طرح ہلکنے والی شخصیت نے مجھے کچھ اس طرح متاثر کیا تھا کہ میں نے اس ایک رشتہ میں تمام انسانی رشتوں کو تسبیح میں پیر وئے ہوئے دانوں کی طرح پایا۔ — فاطمہ نسرتین سے میری پہلی ملاقات دہلیس کلج سلطان بازار کوٹھی کے اسٹاف روم میں اس وقت ہوئی جب میں صدر بزم اردو و عینس کلج سے ملنے کے لیے گیا تھا میرے ہمراہ نظام کلج کے طالب علم صادق نقوی (ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر رشتہ تاریخ جامعہ عثمانیہ) بھی تھے چونکہ میں پہلی دفعہ دہلیس کلج جا رہا تھا اس لیے صادق نقوی میرے ساتھ تھے وہ ڈاکٹر دہلیس شکت سے واقف تھے



مجھے معلوم تھا کہ یزم اردو کی مشیر، اردو کی پچھرا ڈاکٹر خنیہ شوکت ہیں میں ان دنوں اردو کالج میں بی او ایل کا طالب علم تھا اور یزم اردو ادب کا صدر بھی۔ بین کلباتی بیت بازی کے مقابلے میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے میں گیا تھا اردو کالج میں ان دنوں بین کلباتی بیت بازی کے مقابلے منعقد ہونے والے تھے جب میں نے ٹیمیں شوکت صاحبہ کے لئے خواہش کی کہ میں صدر یزم اردو ویمینس کالج سے ملنا چاہتا ہوں تو انہوں نے فاطمہ سرین کو بل بھیجا اور مجھ سے تعارف کروانے ہوئے کہا کہ یہ فاطمہ سرین ہیں یہی صدر یزم اردو ہیں محضر تعارف کے بعد ویمینس کالج کی ٹیم کی تفصیل حاصل کرنے کے بعد جب میں لوٹ رہا تھا تو یوں محسوس ہوا کہ اس لڑکی سے میرا کسی نہ کسی قسم کا رشتہ ہے۔ فاطمہ سرین اپنی ٹیم کے ساتھ اردو کالج آئیں۔ دوسری ملاقات کچھ دنوں بعد۔ یوم محمد قلی قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں ہوئی جہاں بیت بازی کا فائنل مقابلہ منعقد ہونے والا تھا مجھے پھر ویمینس کالج جانا پڑا۔ فاطمہ سرین سے ملاقات ہوئی کچھ دن گزرنے کے بعد فاطمہ سرین نے میرے نام اپنے کالج کی سالانہ تقریب کا دعوت نامہ بھیجوایا۔ میں اس وقت ویمینس کالج پہونچا جہاں فنکشن ختم ہو چکا تھا مختلف کالجوں کے طلباء و طالبات اور اساتذہ واپس ہو رہے تھے۔ ریب سے آخر میں جانے والی اُستانی ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ تھیں۔ فاطمہ سرین دوبارہ ال کی بائیں جانب کیمیا سٹریو کے پاس کھڑی ہوئی تھیں جیسے ہی میں پہونچا ان کے چہرے پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی اور مجھ اپنے ہمراہ ریفر شمنٹ روم میں لے گئیں۔ وہاں ہم نے چائے پی۔ کالج کی وداعی تقریب

کے بعد فاطمہ سے میری یہ آخری ملاقات تھی فاطمہ نے بی اے کرنے کے بعد جا مو عثمانیہ میں ایم اے جغرافیہ میں داخلہ لے لیا۔ تقریباً ایک سال تک فاطمہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک دن ہاشم حسن سجد کے ذریعہ ایک خط ملا۔ ہاشم نے وہ خط مجھے اردو کانٹن کے ایک فنکشن کے دوران دیا تھا فاطمہ نے گھر آنے کے لئے لکھا تھا کہ میں اُمس کی چھوٹی بہن فرخ کے لیے بی اے اردو کے نوٹس تیار کروں۔ فرخ کے لیے میں نے رات دیر تک جاگ جاگ کر نوٹس تیار کیے۔ فرخ اچھے نمبرات کے ساتھ پاس ہو گئی اس کے بعد مجھے کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں فاطمہ سے ملنے کے لیے جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔ میں نے اپنے مجموعہ کلام ”گل تازہ“ کی اشاعت کے موقع پر فاطمہ سے کتاب کے نام کے بارے میں مشورہ لیا تو کہا ”گل تازہ“ رکھ دیجئے۔ اچھا نام ہے مہکتا ہوا سا۔ اور میں نے گل تازہ نام رکھ دیا۔ فاطمہ سرین نے اپنی تمام غزلوں پر مجھ سے اصلاح لی ہے اور میں نے اس کی بہت سی غزلیں ماہنامہ خانوادہ دکن میں شائع کی ہیں۔ فاطمہ اس قدر نفیس، سیدھی سادی، پرفکار شخصیت کی مالک ہے کہ اُس نے کبھی اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنی شخصیت کو محجرب نہ ہونے نہیں دیا۔ اُس نے ہمیشہ مشرقی آداب اور مشرقی تہذیب کی پاسداری کی ہے نہایت مہذب، شائستہ اور پرفکار لہجے میں گفتگو کیا کرتی ہے بالخصوص سعید نے فاطمہ کو جب غزلوں کی رات کے موقع پر دیکھا تو مجھ سے کہا تھا اس لڑکی میں تو مغلیہ حسن ہے۔ فاطمہ گذشتہ ۱۷، ۱۸ سال سے امریکہ میں ہے، دو تین سال میں ایک دفعہ حیدرآباد آتی ہے اور اپنی والدہ کے پاس بھرتی ہے اور جب تک حیدرآباد میں رہتی ہے میں اس سے ملتا رہتا ہوں۔ دو سال پہلے جب

جیدر بہادری تھی تو ان دنوں میرے بڑے لڑکے شمس الدین عارف کی شادی ہوئی۔ فاطمہ نے اپنے بچوں کے ساتھ شرکت کی تھی اور عارف کو اس کی دواہن کو ڈھیر ساری دھابیں دے کر واپس ہوئی۔ فاطمہ جب بھی جیدر بہادری آتی ہے تو میرے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتی ہے۔ فاطمہ ہنستے ہوئے آتی ہے اور روتی ہوئی جاتی ہے میری زندگی کے بہت سے روشن لمحے فاطمہ کو روشن اور تاریک دیکھنے میں گذرتے رہے ہیں اس کی شادی کے موقع پر میں نے صرف ایک نظم تحفہ دی تھی شادی کے کچھ دن بعد جب میں اپنی اہلیہ کے ساتھ فاطمہ سے ملنے کے لیے اس کے کمرے میں گیا تو اس نے اپنے کمرے میں ہم دونوں کو بلوایا اور مجھے وہ قریم کی ہوئی تہنیتی نظم دکھائی جو اس کے سرایے کی دیوار پر آویزاں تھی۔ محبت چاہے کسی رنگ و روپ میں ہو وہ اپنا گہرا اثر چھوڑتی ہے سچ تو یہ ہے کہ محبت کی ایک شکل ایسی بھی ہے جو تمام انسانی رشتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے فاطمہ نرسین کاشوری مجموعہ ”بہاروں کی منزل“ میری زیر نگرانی صرف تین ہفتوں کی گذشت سے شائع ہوا۔ بہاروں کی منزل کی رسم اجرا نے تقریباً ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء کو ممتاز شاعرہ انجم فرسوز کی رہائش گاہ (انجمن قمریہ علی) میں جیدر بہادری منسوب تعلیم یافتہ خواتین کی موجودگی میں ممتاز نقاد و ادیب محترمہ صالحہ الطاف مدبر خانوں دکن کے ہاتھوں انجام پائی۔ فاطمہ نرسین نے مخاطب کرتے ہوئے بہ بھی کہا تھا کہ — جیدر بہادری میں مختصر قیام کے دوران میں بے حد مصروف رہی۔ بچوں کی اور میری صحت کی تاساڑی کا سلسلہ چلتا رہا۔ باقی وقت ملا قانون اور دعوتوں کی نذر ہو گیا۔ کتاب

کی اشاعت پر توجہ اس وقت کی جبکہ امریکہ کو واپسی کا وقت قریب آ گیا  
 میں نے مہتر بھائی (صلاح الدین مہتر) سے اس کا ذکر کیا۔ ان کے اعلیٰ کردار  
 اور ان کے جذبہ ہمدردی سے میں بہت متاثر ہوں۔ ان کی مفقنا طبعی  
 جیسی شخصیت نے میرے کاغذات کے ایک ایک پرزے کو سمیٹ  
 کر بچا کیا اور بہت کم وقت میں بہت گہری دلچسپی اور محنت سے کلام  
 کی تصحیح سے لے کر کتاب کی اشاعت تک سارے مراحل طے کیے۔ اس  
 کرم فرمائی کہے لیے میرے پاس شکریہ ادا کرنے الفاظ نہیں ہیں۔ ہاں میری  
 دعائیں ہیں جو ان کے سافقہ ہمیشہ رہیں گی میں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔

# ڈاکٹر صاحبہ سعید

(مہذب گھرانے کی صاحبِ طرز قلم کار)

۱۹۵۱ء میں کی مشرقِ ماحول کی پیروردہ ایک سنجیدہ، متین، خوش  
جمال اور خوش مزاج، سیدھی سادی لڑکی رخانہ کو میں نے پہلی بار اس وقت  
دیکھا جب وہ یہ کہنے کے لیے گھر سے باہر آئی تھی کہ صالحہ باجی گھر پر نہیں ہیں  
اور یہ کہا ہے کہ آپ کو ڈرائیونگ روم میں بٹھا دوں۔ میں ڈرائیونگ روم  
میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ اُس وقت رخانہ اسکول کا ڈریس دگرین شرٹ  
اور سفید پاجاما زیب تن کیے ہوئے تنی عثمانیہ میزک اور علی گڑھ میزک کی  
تیار اس ایک سانچہ کر رہی تھی صالحہ آپ سے جو میرا رشتہ ہے اُس کی نو سب سے پہلے  
صلیحہ، رخانہ اور عذرا بھی مجھے قہر مانی کہا کرتی تھیں۔ صلیحہ ابتداء سے کم آمیز رہا  
البتہ رخانہ اور عذرا مجھ سے ملتا رہے تھیں رخانہ کا نرغم بے حد پُراثر ہے رخانہ  
کے نرغم کا مجھ پر گہرا اثر ہے میری بعض غزلیں اب بھی رخانہ کے نرغم میں ساتا  
ملوں عذرا ایک اچھی آرٹسٹ ہے میرے تمام شعری مجموعوں کے سرورق بنانے میں

تیار کیے ہیں اس نے جامعہ عثمانیہ سے موسٹبا لوجی میں ایم اے کیا ہے جدید لٹ  
 کے کی شاعرہ بھی ہے۔ میں اپنی بہنوں کی چھوٹی چھوٹی فرمائشوں اور خوشیوں  
 کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لیے اچھی اچھی کتابیں لے آتا۔ جب میں عثمانیہ  
 یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ ایل کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا تو رخانہ مجھے انگلش  
 کے نوٹس تیار کر کے دیا کرتی تھی۔ خاندان کی دوسری لڑکیوں کی طرح رخانہ کی  
 بھی شادی ہو گئی اور وہ کسرال چلی گئی۔ بہن چاہے میکہ میں رہے یا سرال  
 میں بھاٹی بہن کا رشتہ کبھی ٹوٹنا نہیں اور مستحکم ہو جاتا ہے رخانہ کی شادی  
 ۱۹۱۸ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد رخانہ نے جامعہ عثمانیہ سے  
 اردو میں ایم اے کیا۔ ایم اے کرنے کے بعد رخانہ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی  
 کی ڈگری لی۔ ڈاکٹریٹ کے بعد رخانہ نے اپنا علمی و ادبی کام جاری رکھا۔ آئی انڈیا  
 ریویو جیورجیہ ریڈر سے اردو ادب کے مختلف موضوعات پر تقریریں نشر  
 کرتی رہیں۔ دُور درشن سے مباحث میں حصہ لیا۔ روزنامہ سیاست کے علاوہ  
 ملک کے ادبی رسائل میں خاکہ نگاری کے مختلف پہلوؤں اور دیگر ادبی موضوعات  
 پر مضامین شائع ہوتے رہے۔ رخانہ تقریباً ۵ سال تک شعبہ اردو و ہندو کالج  
 جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہیں شہر کے بعض کاغذ میں پارٹ ٹائم پکچر کی  
 حیثیت سے درس دیتی رہیں اس وقت سلطان اعلام کالج آف ایجوکیشن  
 میں پکچر کی حیثیت سے کام کرتی ہیں رخانہ شاعری بھی کرتی ہیں لیکن چھپوانا  
 نہیں چاہتیں۔ رخانہ کی شخصیت میں وہ تمام اعلیٰ خصوصیات مشتمل  
 ہیں جو ایک مہذب، شائستہ اور باوقار خاتون کا حصہ ہوتی ہیں۔ رخانہ

ڈاکٹر صاحبہ سعید خاں نگاری کے موصوعہ پہرے۔ انجے ڈاکٹر کے لیے مقالہ  
 لکھا تھا ڈگری ملنے کے بعد یہ مقالہ کتابی شکل اختیار کر گیا۔ اردو میں خاکہ  
 نگاری (۶۸ ۶۹) اس کتاب کی ادبی حلقوں سے دل کھول کر پذیرائی  
 کی۔ ڈاکٹر صاحبہ سعید ان دنوں سلطان العلوم کالج (مفتی جاہ کالج) میں  
 اردو کی لیکچرر ہیں کچھ برس ویمینس کالج (جامعہ عثمانیہ) میں پارٹ ٹائم لیکچرر  
 رہیں۔ میں رخصانہ سے ملنے کے لیے اب بھی کبھی کبھی اس کے گھر جایا کرتا  
 ہوں۔ اُس کا حال پوچھتا ہوں، اُسی طرح جیسے ایک بھائی کی ذمہ داری  
 ہوتی ہے۔ (ماخذ سلسلہ بھولوں کا ۱۹۹۲ء)

# انیس قیوم قیاض

(پاکیزہ رشتہ کا بہترین تحفہ - نامور افسانہ نگار)

خاتونِ دکن سے وابستگی کے بعد حیدر آباد کے بعض نئے کھتے والوں کی تخریریں رفتہ رفتہ بچے متاثر کرنے لگیں جن میں طالبات بھی تھیں طالب علم بھی اور بعض اردو کے اساتذہ بھی۔ ان کے علاوہ معروف اہل قلم مرد و خواتین کی تخلیقات سے بھی میں متاثر ہوا۔ اس دوران مرد اہل قلم اعلیٰ کے ساتھ کچھ خاتون افسانہ نگاروں، ادیبوں اور شاعرات کے بھی ادبی خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔ رشتوں کی پاکیزگی اور شائستہ روابط نے بھی احساس دلانا شروع کیا۔ خاتونِ دکن کے سلسلہ کا شائستہ اور پاکیزہ رشتوں کا ایک بہترین تحفہ انیس قیوم بھی ہے۔ مجھے اُن دنوں جتنی تخریروں سے سابقہ پڑا اُن میں سب سے زیادہ موثر صرف انیس قیوم کی تخریر تھی۔ انیس کے خطوط مونیوں میں ڈھل کر نکلتے تھے میری تمام بہنوں میں انیس پہلی بہن جس نے مجھے سب سے زیادہ خطوط لکھے ہیں اور ہر خط میں کبھی نہ ختم ہونے والی بھائی بہن کی محبت کی خوشبو



رہتی تھی۔ لیسیا میں سکونت کے زمانے میں بھی انہیں مجھے پابندی سے خطوط لکھا کرتی تھی جب وہ بی ایس سی کی طالبہ تھی تو ان کو اس کے زیادہ تر افسانے "بانو" اور "بیسویں صدی" میں شائع ہونے لگے جب قانون دکن، ادبی حلقوں میں مقبول ہونے لگا تو مجھے حیدرآباد کے بہت سے اہل قلم خواتین و حضرات کا تعاون حاصل ہونے لگا۔ انہیں نے بی ایس سی اور بی اے کرنے کے بعد ایوننگ کالج دجا سہ عثمانیہ سے ایم اے اردو امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا۔ تعلیمی امور میں وہ مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھی۔ انہیں مجھے ہر سال پابندی سے راکھی باندھتی رہا اپنے شوہر کے ساتھ سات برس تک لیسیا میں رہنے کے بعد گزشتہ تین سال سے حیدرآباد میں ہے وہ جب بھی حیدرآباد آتی ہے۔ مجھ سے ملنے کے لیے اپنے شوہر کے ہمراہ دفتر سنا آجاتی پھر دونوں میرے گھر آ جاتیں۔ یہ اُن کا ایک طریقہ تھا میرے گھر کے لوگ انہیں کا بہت خیالی رکھتے ہیں انہیں نے میرے بڑے لڑکے شمس الدین عارف کی شادی کے انتظامات میں بڑے حیرت انگیز حصہ لیا تھا انہیں اس طرح میرے گھر آتی ہے جیسے ایک حقیقی بہن اپنے پورے حقوق اور اعزازات کے ساتھ اپنے بھائی کے ہاں آتی ہے انہیں ہے ہی اس قابل کہ اس کا خیال رکھا جائے زندگی کچھ اس قدر مضبوط ہو گئی ہے کہ اب انہیں سے ہینوی ملاقات نہیں ہوتی، لیکن فون پر خیر و عافیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے جب انہیں اپنی شادی کے بعد پہلی دفعہ اپنے شوہر کے ساتھ میرے گھر آئی تو اس نے اپنی خوب صورت سونے کی بالیاں میری چھوٹی لڑکی زینت سریند کو پہنا دی۔ زینت لڑکی چھوٹی اس پر غلامی تکفہ کو تمام تحفوں میں سب سے اہم تحفہ کہہ کر خوشی خوشی کرتی ہے اس پر قدم کے افسانوں کا مجموعہ کی دیاں ۱۹۸۸ء میں اور سفایر کا مجموعہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے (افتاس بیہودی برتھیاں ۱۹۹۲ء)

# کویتا کرن

( اردو کی مشہور شاعری۔ دستک، آئیٹھ بھائی )

کوئٹا کرن سے میری پہلی ملاقات شعر و نغمہ کما حوال میں ممتاز گل و گلار  
 وٹھل راؤ کے میوزیکل اسکول ”سنگیت سادھنا“ میں ہوئی۔ ایک شام  
 جب میں سیاست آفس میں اپنے ادنیٰ کام میں مصروف تھا تو میرے دوست  
 وٹھل راؤ مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور مجھ سے خواہش کی کہ کچھ دیر کے لیے میں  
 ان کے ہمراہ سنگیت سادھنا اسکول چلوں جہاں مجھے ان کے ایک دوست  
 امبا جی راؤ ڈائریکشنل پیپرٹنڈنٹ پولیس کی شاعرہ بیٹی سے نہ صرف تعارف  
 کرانا ہے بلکہ اُس کو اپنے حلقہٴ تلامذہ میں شامل کرنا ہے۔۔۔ جب میں  
 وٹھل راؤ کے ساتھ سنگیت سادھنا پہنچا تو وہاں موجود لڑکیوں میں مجھے  
 حیدر آبادی نہند بیب سے آراستہ ایک لڑکی سب سے الگ دکھائی دی۔  
 مجھے دیکھ کر اُس نے اندازہ لگایا کہ میں کون ہوں۔ وٹھل راؤ کے تعارف  
 کرنے سے پہلے ہی اس نے مجھے حیدر آبادی انداز میں سلام کیا۔ اس تعارف

کے بعد میں نے کوئٹہ کرن سے کچھ اشتعال سننے اور یہ محسوس کیا کہ اگر مناسب انداز میں اس نئی شاعرہ کی شعری تربیت کی جائے تو ایک دن یہ ہو نہا شاعرہ اردو شعور ادب میں اپنا مقام بنا سکے گی۔ کوئٹہ کرن اس وقت اردو رسم الخط سے کچھ زیادہ واقف نہیں تھی۔ اس لیے وہ (دلیوناگری) ہندی رسم الخط میں اردو غزلیں لکھتی تھی میں نے کوئٹہ سے پوچھا کہ تم اردو زبان سے اچھی طرح واقف ہو تو پھر اردو رسم الخط میں غزلیں کیوں نہیں لکھتیں۔ کوئٹہ نے جواب دیا، مجھے اردو رسم الخط میں لکھنے میں تکلف محسوس ہوتا ہے۔ (اب کوئٹہ اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کتابیں روانی کے ساتھ پڑھنے لگی ہے) کوئٹہ نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ غزلیں سننے کے علاوہ اس ریڈیو اور ریڈیو کیسٹ سے غزلیں سن کر مجھے اردو شاعری سے دلچسپی ہونے لگی اور میں نے اپنے منتشر خیالات کو شاعری کے روپ میں ڈھالنا شروع کیا۔ میں نے کوئٹہ کو محفل خوانین کے بارے میں بتایا اور شریک محمد محفل خوانین منظر السار ناؤ سے کہا کہ اس نئی شاعرہ کی محفل خوانین میں خاطر خواہ پدیرائی ہونی چاہیے۔ وہ محفل خوانین کے جلسوں میں شریک ہونے لگی۔ جب میں پہلی دفعہ کوئٹہ کرن کے گھر پہنچا تو وہ مقررہ وقت پر میرا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی میں نے اسکو ٹرام ٹانڈ کی وہ دروازہ کے قریب آکر ٹھہر گئی میں نے تنگ دلی تو اس نے فوری کہا۔ آئیے بھائی۔ میں نے جب اس کا ڈرائنگ روم دیکھا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اس کا ڈرائنگ روم صاف ستھرا ہر چیز اپنی جگہ سلیقہ سے رکھی ہوئی تھی ڈرائنگ روم

میں نہ تو ہندو کلچر کی چھاپ تھی نہ مسلم تہذیب کا رنگ۔ کویتا کی پوشاک، اس کی گفتگو، اس کے رہن سہن، اس کی نشست و برخاست، جیسا آبادیوں جیسی ہے ملنے جلنے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خالص حیدرآبادی تہذیب کی پروردہ ہے۔ دوران گفتگو جب کویتا نے بھائی کہہ کر مخاطب کرتی تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ میں نے کویتا سے کہا تم پہلے میری بہن ہو، بعد میں میری شاگرد ایسا کہنے پر وہ بہت خوش ہوئی۔ ایک دن وہ اپنے شوہر، بچوں اور اپنی بہن میتا کے ساتھ میرے گھر بازار روپ محل (سید علی جیو ترہ) آئی۔ (دوپہر سے شام تک) ہم نے بیچ بلی کر کیا۔ میری اہلیہ اور میری لڑکی زینت سرین نے ان مہمانوں کی تواضع کی۔ کویتا کے والد امبا جی راؤ صاحب نے اپنی بیٹی کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر اٹھا ہتس رکھی۔ وہ کویتا کی ہر خوشی کا خیال رکھتے ہیں امبا جی راؤ ایک خالص حیدرآبادی مزاج کے انسان ہیں وہ نہ صرف اردو زبان سے ہی دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ وہ اچھی طرح اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ اپنی بیٹی کو شہر کے خاص خاص مشاعروں میں خود لے آتے ہیں۔ کویتا کو مشاعروں میں داد ملتی ہے تو خوش ہوتے ہیں کویتا نے شکر جی میموریل کل ہند مشاعرہ کے علاوہ کئی بار ریڈیو سے اپنا کلام سنا یا ہے دور درشن کے پروگرام انجمن کے علاوہ نیچنل پیر و گرام (نٹ ورک) مشاعرہ میں بھی کلام سنا چکی ہیں یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے تھیں میں شعر سناتی ہیں۔ پڑھنے کا انداز مناسبت رکھتا ہے۔ امبا جی راؤ ایک دن اپنی بیٹی کے ہمراہ میرے گھر آئے اور مجھ سے خواہش کی کہ کویتا کا مجموعہ کلام علیہ از حد شائع ہو جائے۔

(ماخذ "سلسلہ پھولوں کا ۱۹۹۲ء")

# یوسف ناطق

(نامور فرزند جامعہ عثمانیہ - ممتاز طنز و مزاح نگار)

نامور فرزندان جامعہ عثمانیہ کی فہرست مرتب کرنے والوں کے لیے یقیناً وہ مرحلہ آزمائش کا ہو گا جب انہیں مختلف زمروں میں تقسیم کیے جانے کا مسئلہ درپیش ہو اس لیے مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے بعض ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اپنے شعبہ میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ قابیلیت اور شہرت کے اعتبار سے درجہ بندی ضروری تو ہے لیکن اُس وقت لغزش کا اسکان رہتا ہے جب کسی خاص شخص کی صلاحیتوں کا صحیح تجزیہ نہ کیا جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تجزیہ نگار نہایت احتیاط سے قلم فرمائی کیا کرتے ہیں۔ دانشوروں کی تخصیص اور زمرہ بندی بھی امتحانِ مرحلوں سے گزرائی رہتی ہے یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کا مرتبہ بلند ہے اور کس کا مرتبہ بلند نہ۔ تجزیہ نگار اگر شخصیتوں کے صحیح خدو خال

کا اور کم لکھنا ہو۔ شخصیتوں کی لیاقت و قابلیت کا صحیح اندازہ کر سکتا ہو تو اس سے توقع کا جاسکتی ہے کہ اس کا جائزہ نشیخے بخش ہوگا۔ وہ قلم کار جو زیادہ زیر بحث رہتے ہیں اور وہ جو زیادہ پیش نظر رہتے ہیں ان میں ماہر تعلیم، ڈاکٹر، انجینئر، قلم کار، صحافی، سائنسٹ وغیرہ شامل ہیں لیکن ان شعبوں میں بھی کئی اعلیٰ درجہ کی شخصیتیں موجود ہیں جو ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں اس کے باوجود کچھ باکمال شخصیتیں ایسی بھی ہیں جو اپنے مخصوص شعبہ میں اپنے دیگر تمام عصور و دہم عصر قداروں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قابل قدر شخصیت کی صلاحیتوں کا جائزہ بغیر کسی مقالے، حوالے اور موازنے کے کیا جائے اگر یا ہو تو زمرہ بندی کے تعین سے تجزیہ نگاری جاتا ہے اس مخصوص شعبہ سے دلچسپی رکھنے والے یا شعور خود تصفیہ کرتے ہیں کہ کون کون شخص کس مرتبہ کا ہے حامل ہے۔ ممتاز عثمانی، نامور طنز و مزاح نگار یوسف ناظم کی ادبیانہ حیثیت کو تسلیم کرنے والے لوگ انہیں ان کی شخصیت اور ان کے فن کی روشنی میں ہی دیکھیں تو وہ کھل کر اپنے قلم کو روانی عطا کر سکیں گے۔ یوسف ناظم ایک ایسے طنز و مزاح نگار ہیں جنہیں کسی ایک مقام کی حد تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ جو قلم کار عالمی شہرت یافتہ ہوتے ہیں وہ ساری علمی و ادبی دنیا کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یوسف ناظم سوید آباد لوگوں کے پیروار ہیں اور ہندوستان کے صف اول کے قلم کار ہیں لیکن اس طرح کے عظیم قلم کاروں کو ہم کسی ایک خطرہ ارض تک محدود نہیں کر سکتے۔ ہم چیدہ یاد دیوں

کے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ یوسف ناظم دورِ حاضر کے صفِ اول کے ادیب ہیں ویسے تو وہ ساری اردو دنیا میں مشہور ہیں لیکن ہندوستان پاکستان کے ادبی حلقوں میں ان کا نام پہلی اور دینی نہرت میں شامل ہے۔ یوسف ناظم کا وطن جالندہ ہے یہ پہلے ضلع اورنگ آباد کا تعلق تھا یہ خود ضلع ہے اورنگ آباد پہلے ریاست جالندہ آباد کا حصہ تھا جو لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کے موقع پر مہاراشٹر میں مل گیا۔ میٹرک تک جالندہ میں تعلیم پائی۔ اورنگ آباد انٹر میڈیٹ کالج سے انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۰ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی اے اور ۱۹۴۲ء میں ایم اے کیا اسی سال انہیں لبریریاریٹمنٹ میں منترجم کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ ۱۹۴۶ء میں اچھی شادی ہوئی مزاح نگاری کا سلسلہ ۱۹۴۴ء ہی سے شروع ہوا۔ روزنامہ "میزان" اور "پیام" میں ان کے مضامین چھپتے رہے پھر کس کے بعد رسائل میں چھپتے رہے۔ پہلی کتاب "کیف و کم" ادارہ ادبیات اردو نے ۱۹۶۲ء میں شائع کی۔ اس کے علاوہ تاحل فٹ نوٹ۔ دیوار سے زیر غور، سائے ہمسائے، فقط، البتہ، ذکرِ خیر، بالکیات، شائع ہو چکی ہیں تین کتابیں بچوں کے لیے بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں "بیک نہ مارو" "الف سے بے تک" اندرا گاندھی جنوبی افریقہ میں "کئی کتابوں پر ملک کی کئی اردو اکبر و بیکروں نے ایوارڈز سے نوازا۔ غالب ایوارڈ بھی ملا۔ ایک کتاب "مرغی کی ہم ٹانگیں" مکتبہ جامعہ دہلی سے چھپ رہی ہے (یہ کتاب بچوں کے لیے ہے) کتاب نما کے وجد نمبر اور شگوفے کے ہندوستانی مزاح نمبر کے ہمان مدیر رہ چکے ہیں۔ حال ہی میں سنسکرت کے شاعر بھرنری کی چند نظموں

کا منظوم ترجمہ کیا۔ کچھ دنوں تک ”بلٹرن“ کا کالم ”باتیں ہماریاں“ لکھا۔ انقلاب (ممبئی) کا ہفتہ وار کالم ”انوارِ یہ“ لکھتے رہے ہیں۔ ممبئی میں جین ناظم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حال ہی میں ”علیک سلیک“ (خاکوں کا مجموعہ) شائع ہوا ہے۔ دسمبر ۱۹۷۶ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ یوسف ناظم جامعہ عثمانیہ کے اُن اولین فرزندوں میں سے ہیں جن کا ایشیائی قلم پوری توانائی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے علمی و ادبی ماحول نے انہیں بہت کچھ دیا۔ ان کی صلاحیتوں کو اُنہیں نے کامیاب فرمایا۔ ہندوستان کے بہ قید حیات طنز و مزاح نگاروں میں یوسف ناظم کا نام بھی سر فہرست ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے اُن کے ساتھیوں میں بڑوں تو ان کے بے شمار مداح ہیں لیکن جن لوگوں سے وہ قریب رہے ان میں اشفاق حسین، امیر حسن، ظفر الحسن، عابد علی خان، محبوب حسین جگر، ہاشم علی اختر، رشید قریشی، امیر احمد خسرو و غیرہ قابل ذکر ہیں اور یہ تمام لوگ اپنے اپنے میدان میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یوسف ناظم کا حیدرآباد میں حکم اعداد و شمار سے تعلق تھا لیکن لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کے موقع پر انہیں ترک حیدرآباد کرنا پڑا۔ ممبئی میں سرکاری عہدہ دار رہے ممبئی کے ادبی حلقوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ممبئی کے صفِ ادب کے قلم کاروں میں ان کی پذیرائی ہوئے لگی آج وہ ممبئی کے سینئر ترین طنز و مزاح نگار ہیں۔ وہ زود نویس معتمد ہیں یوسف ناظم کی سنجیدہ غزلیں ادبِ حالیہ میں شمار ہوتی ہیں پاکستان کے ادبی حلقوں میں بھی یوسف ناظم کا نقد و مزاح انتہائی ملکہ کے ادبی رسالوں میں اُن کے مضامین نمایاں طور پر



شائع ہوتے رہتے ہیں سیاست اخبار سے ان کے قلم کا قدیم رشتہ ہے  
 بیسیوں مضامین انہوں نے سیاست کے لیے لکھے۔ آج بھی ان کے  
 مضامین نہ صرف سیاست میں بلکہ کبھی کبھی ”منصف“ میں پڑھنے کو ملتے  
 ہیں حیدرآباد کے ادبی رسالوں میں سب اس ”شکوہ اور خوشبو کا سفر  
 میں“ ہی ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یوسف ناظم ممبئی کے شہری  
 ضرور ہیں لیکن وہ حیدرآباد کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور حیدرآباد کی محبت سے دبیرینہ  
 تعلق رکھتے ہیں حیدرآباد کو ان کا آنا جانا رہتا ہے زندہ دلان حیدرآباد  
 کی سالانہ تقاریب میں وہ لازماً مدعو رہتے ہیں ان کے مضامین سے  
 باذوق سامعین لطف اندوز ہونے میں یوسف ناظم ایک طنز و مزاح  
 نگار ہیں جو مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کے بھی تیر چلاتے ہیں ان کے طنز و مزاح  
 میں پُر وقار سنجیدگی کے بعض پہلو نمایاں رہتے ہیں۔ قلم کی آبرو  
 کو انہوں نے ہمیشہ وقار بخشا۔ معاشرہ کی بنی بگڑتی صورت حال کو اپنے  
 قلم کی سحر کاری سے اجاگر کیا۔ یوسف ناظم زندہ دلان حیدرآباد کے سالانہ  
 جلسوں میں یہ پابند معاشرت کرتے ہیں زندہ دلان کی پہلی کانفرنس سے  
 ہی زندہ دلان حیدرآباد سے وابستہ ہیں۔ زندہ دلان حیدرآباد کی پہلی  
 کانفرنس جو ۱۹۶۶ء میں منعقد ہوئی تھی جس میں ملک بھر کے جدید و  
 قدیم نامور مزاح نگاروں نے حصہ لیا تھا۔ خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس  
 مشہور مزاح نگار بھی جو ممبئی میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے زندہ  
 دلان حیدرآباد کے سالانہ جلسوں میں شریک رہا کرتے تھے ان کا تعلق

بھی حیدر آباد سے ہے حیدر آباد میں شکوفہ کے مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال  
 جناب حمایت اللہ سے بھی ان کے گھر سے مراسم ہیں جب وہ حیدر آباد آتے  
 ہیں تو زیادہ اپنا وقت ان دونوں حضرات کے ساتھ گزارتے ہیں ویسے  
 بھی زندہ دلاں حیدر آباد سے ان کا قدیم رشتہ ہے رشید قریشی، اختر حسن  
 سے بھی ان کی رسم و راء نفی بھارت چند کلمہ اور نرسید روٹوھر کی زندہ دلاں  
 سے وابستگی کو زندہ دلاں حیدر آباد کے لیے فال نیک سمجھتے تھے یوسف  
 ناظم انتہائی معقول و مقبول ادیب ہیں خاص طور پر حیدر آباد اور ممبئی کے  
 ادبی حلقوں میں ان کی بڑی پاسداری کی جاتی ہے ان کی بیروں کی خدمات  
 کو کھلے دل و دماغ سے خراج پیش کیا جاتا ہے یوسف ناظم صاحب کی وہ  
 تحریریں جو سماج کی بگڑتی ہوئی تصویر کشی کرتی ہیں کافی شہرت رکھتی ہیں  
 یوسف ناظم صاحب ترقی پسند ادیب ہیں ممبئی کے تمام ترقی پسند شاعروں،  
 ادیبوں سے ان کے بہت اچھے مراسم ہیں یوسف ناظم صاحب زائد از  
 نصف صدی سے لکھ رہے ہیں ان کے ہتھ میں شائع ہوتے دیکھتے ہیں کئی ایوارڈز  
 پانچکے ہیں کئی ادبی انجمنوں اور علمی و ادبی اداروں سے وابستہ ہیں ملک کی  
 تقریباً تمام ریاستوں میں ہونے والی طنز و مزاح کی تقاریب میں شرکت  
 کر چکے ہیں عمر کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی ان کا قلم چل رہا ہے ہر  
 مکتب خیال کے قلم کاروں سے ان کے روابط ہیں یوسف ناظم صاحب  
 جہاں اعلیٰ درجہ کے طنز و مزاح لکھا رہیں وہیں وہ اچھے شاعر بھی ہیں  
 لیکن ان کی شاعری طنزیہ و مزاحیہ ادب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

سجیدہ شعر کہتے ہیں۔ شاعروں میں بہت شریک ہوتے ہیں ادبی رسالوں میں ان کا کلام پڑھنے کو مل جاتا ہے حیدر آباد میں ان کے بہت سے رشتہ دار اب بھی موجود ہیں زندہ دلاں حیدر آباد کی سالانہ تقاریب میں شرکت کرنے کے علاوہ حیدر آباد کی مختلف تہذیبی تقاریب میں بھی شریک رہتے ہیں۔ سال میں ۲، ۳ دفعہ حیدر آباد ضرور آتے ہیں جب کبھی وہ حیدر آباد آتے ہیں تو اپنے دیرینہ دوستوں اور جامعہ عثمانیہ کے ساتھی عابد علی خان اور محبوب حسین جگر سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آفس آجاتے ہیں۔ میں بھی ان سے تیار حاصل کر لیتا ہوں یوسف ناظم صاحب نہایت فراخ دلی کے ساتھ جو نیر قلم کاروں (شاعروں، ادیبوں) کی جو خدمت افزائی کرتے ہیں یوسف ناظم صاحب ممبئی میں میرے ماموں زاد بہنوئی کے ہم سایہ ہیں ایک ہی بلڈنگ میں رہتے ہیں میرے بہنوئی واحد خان بھی ریاستی تقسیم کے وقت حیدر آباد سے مہاراشٹر اچھل گئے۔ یوسف ناظم صاحب کی طرح وہ بھی لسانی تقسیم کی زد میں آ گئے۔ یوسف ناظم صاحب سے امیری خط و کتابت یہ زیادہ تر خط و کتابت کا ذریعہ خوشبو کا سفر ہوتا ہے خوشبو کا سفر کے لیے اپنے مضامین عنایت کرتے ہیں جو اہتمام کے ساتھ خوشبو کا سفر میں جگہ پاتے ہیں ہم حیدر آبادیوں کے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ یوسف ناظم صاحب ساری اردو دنیا میں ایک نامور ادیب کی حیثیت سے تسلیم کیے جا چکے ہیں کئی سرکاری و غیر سرکاری ایوارڈز حاصل کرنے کے علاوہ اردو زبان و ادب سے تعلق رکھنے

والی بعضی انجمنوں سے بھی وابستہ ہیں۔ ہم حیدر آبادیوں نے ایسے نامور  
 قلم کاروں کو جو ملک و بیرون ملک میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے  
 ہیں اپنے شہر کے قلم کاروں میں شمار کیا ہے اس لیے کہ بنیادی طور  
 پر ان کا ادبی سفر حیدر آباد سے شروع ہوا یہاں کے ادبی ماحول نے ان  
 کی صلاحیتوں کو ابھارا۔ ادبی تحفوں کی سرگرمیوں نے انہیں خامہ فرسائی  
 کے مواقع فراہم کیے۔ ساری دنیا میں جہاں جہاں بھی حیدر آبادی سکونت  
 پذیر ہیں انہوں نے اپنی سرزمین حیدر آباد کو، اپنے ملک ہندوستان کو  
 انہیں بقولا۔ ان کی جسم و جاں میں اپنے ملک کی خوشبو، ایسی ہوئی ہے  
 انہوں نے اپنے وطن سے رشتہ برقرار رکھتے ہوئے ترقی کے زینہ طے کیے ہیں اور  
 بہت سے حیدر آبادی اپنے اپنے میدانوں میں اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے  
 شہرت رکھتے ہیں۔ یوسف ناظم، سید یحییٰ، سید یحییٰ، سید یحییٰ، سید یحییٰ،  
 یوسف ناظم جیسے مایہ ناز قلم کاروں کی ہر دور میں قدر کی جاتی ہے گی وہ  
 نہایت محنت پسند، فاضل انسان ہیں جو فرزندِ مادرِ جامعہ عثمانیہ کے حوالے  
 سے یاد کیے جاتے رہیں گے جامعہ عثمانیہ کے نامور شاعروں مخدوم فی الدین  
 اور سکندر علی وجد سے ان کے گہرے مراسم تھے میکش حیدر آبادی، ماہر نقاد  
 شاہد صدیقی، سلیمان اربیب، پیر پدایونی کے علاوہ حیدر آباد کے اور شعرا  
 خورشید احمد جاتی، سید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم  
 کرتے ہیں۔ ان کے بعد کے سنجیدہ شاعروں میں راقم الحروف، ناصر کمر ٹولی اور  
 دیگر شعرا کو پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یوسف ناظم نے حیدر آباد کی  
 تہذیبی انداز کو ہمارا اثراتِ سنگین دی ہے جس کی وجہ سے وہ دماں کے مہذب معاشرہ  
 دل میں بھی اپنے ہیں۔

# ابوالفیض سحر

(خود شناس دیدہ و با وقار دانشور ممتاز عثمانی)

اگر کسی شخص کو اپنی شناخت کا وجدان حاصل ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ رب العزت کی غلامی و بندگی کے ساتھ ساتھ اس کو زندگی میں کسی اعلیٰ منصب پر فائز رہنا ہے تو وہ ابتدا ہی سے ترقی کی ہمت کر لیں طے کرتا رہتا ہے۔ اپنی زندگی کے طویل سفر میں اس کو مختلف قسم کے حادثات سے گزرنا پڑتا ہے۔ آسانوں کے ساتھ ساتھ مشکلوں سے بھی آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ ایک ہی جگہ بیٹھے رہنے کو مست کامیاب کہتے بلکہ طویل سفر کے خیال سے وہ اپنے قدم روک لیتے ہیں اپنے مقصد تک پہنچنے کو چاہتے نا خواہش شخص بھی حالات سے گھبراتا نہیں وہ پوری توانائی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ رواں دواں شخص بلا قید موسم اپنی زندگی کے سفر کو جاری رکھتا ہے لاکھ مشکلیں آتی ہیں طوفان ابھرتے رہیں لیکن اُس کا سفر رکتا ہی نہیں۔ جاری رہتا ہے۔ بس نے ایسے ہی لوگوں کو

دیکھا ہے جو اپنی ذاتی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ترقی کرتے چلے گئے شمشکشا حالات  
 اچھے ہوئے ماحول، اساعدموکم کو نظر انداز کرنے ہوئے، اس سمت آزمائی  
 کرنے والوں میں حیدر آباد کی ایک اہم شخصیت ابو الفیض سحر کی بھی  
 ہے جو ۳۰ برس سے دلی میں ہیں۔ اپنی ذاتی محنت اور خداداد صلاحیتوں  
 سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچ گئے ہیں۔ معاشرہ  
 میں خاص طور پر شعر و ادب کی دنیا میں اپنا مقام بنا ناہر اہل قلم کے  
 بس کی بات نہیں ہے وہی شاعر و ادیب اپنا مقام بنا لیتا ہے جو اپنی  
 صلاحیتوں کا لوہا منوانا چاہتا ہے اس طرح کا صلاحیت رکھنے والی،  
 باجولہ شخصیت ابو الفیض سحر کی بھی ہے۔ ابو الفیض سحر جامو عثمانیہ  
 کے قابل طلباء میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے پروفیسر عبدالقادر  
 سردری صدر شعبہ اردو کے زمانے میں ایم اے اردو میں امتیازی  
 حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ کالجس کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا  
 شروع کیا۔ تقریری اور بیت بازی مقابلوں میں حصہ لیا۔ جامو  
 عثمانیہ اور اس سے ملحقہ تمام کالجس کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں  
 حصہ لیتے رہے۔ ایم اے کرنے کے بعد پیشہ درس دندیس سے  
 وابستہ ہو گئے۔ لیکن زیادہ عرصہ تک اس پیشہ سے جڑے ہوئے  
 نہیں رہے۔ کچھ ایسے حالات رہے کہ وہ دلی چلے گئے وہاں کے  
 ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیا لیکن اپنی انفرادیت باقی رکھی۔  
 حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ دلی میں وہ ترقی اردو

بورڈ سے وابستہ ہو گئے۔ اور ترقی کرتے کرتے سربراہ بن گئے۔ ترقی  
 اردو بورڈ بن گئے۔ وزارت داخلہ حکومت ہند کے شیر بھی رہے۔ ملازمت  
 کے دوران بے شمار کتابوں کی صورت گری، ترتیب و ترمیم کے سلسلے  
 میں ترقی اردو بورڈ میں کلیدی رول ادا کیا۔ ایک اعلیٰ درجہ کے سرکاری  
 حیثیت سے اپنی پہچان بنانا۔ دل اور ملک کے بہت سے علمی و ادبی  
 اداروں اور انجمنوں کے زیر اہتمام منعقدہ ادبی اجتماعات میں حصہ لیتے  
 رہے۔ قزبریں کیں۔ مقالے لکھے اور کئی کتابیں شائع کیں۔  
 بھی پئے اور مولف بھی رہے۔ کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں تیسرے نظر  
 خسرو شناسی، دو دریاغ محفل، خلا میں پہلا ہندوستان، تناظر و  
 تجزیے، فن اور فنی مباحث اور شفق (شعری مجموعہ)۔

ابوالفیض سحر ایک بہترین شاعر بھی ہیں ادبی رسالوں میں ان کا کلام بھی  
 شائع ہوتا رہا ہے باذوق لوگ جو اس عالم کے خاص طور پر مہار  
 کے مہمنی رہا کرتے ہیں۔ ابوالفیض سحر کی کچھ اول کتابوں کی اشاعت کے  
 منتظر ہیں۔ ابوالفیض سحر کو بیس زائد از۔ ۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ ہماری  
 دوستی کا عمر بھی لگ بھگ۔ ۴۰، ۴۵ برس کے ہے ابوالفیض سحر ظہیر آباد میں  
 قائم کردہ ادبی انجمن بزم سخن کے روح رواں تھے یہ انجمن ایم بانگاریڈی  
 سابق ایم کیو پی کی زیر سرپرستی عبدالکیم جمالی اور ابوالفیض سحر کی شخصی دہی  
 سے قائم کیا گیا تھا جس کے بہت سے شعروں میں، میں نے بھی شرکت کی  
 ہے۔ زبردست ہاں امور شاعروں نے ان کے شعروں کے لئے ہمیشہ اپنا تعاون

دیا۔ ابوالفیض سحر ایم باکا کے ساتھ سابق ایم بی کے خصوصی دوست تھے۔ ان  
 کے والد نے یہ فیہ الزکوۃ اچھے ہوئے مسائل کے سلسلے میں کام لیا بلکہ  
 طبیس ادبیں اردو تعلیم اور مشاعروں کے لئے ایک خوشگوار ماحول پیدا  
 کیا۔ ابوالفیض سحر، پروفیسر عبدالقادر سردری، صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ  
 سے فارغ التحصیل رہے ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر اپنے دولت خانے پر  
 ہر ایک مشاعرہ کا اتمام کیا کرتے تھے جس میں ان دور کے نامور شاعروں  
 کے علاوہ نوجوان، باصلاحیت شاعروں کی بھی پذیرائی کی جاتی تھی  
 ابوالفیض سحر ان محفلوں میں اپنا کلام سناتے تھے بلکہ محفل کو آراستہ  
 کرنے میں پروفیسر سردری صاحب یا تھ بٹاتے تھے اس زمانے میں  
 ابوالفیض سحر فضاء کے نام سے ایک ماہنامہ شائع کرتے تھے جن میں  
 زیادہ تر جامعہ عثمانیہ سے تعلق رکھنے والے اہل قلم اساتذہ طلباء و  
 طالبات کی تخلیقات شائع ہوا کرتی تھیں۔ میٹرک کا میاں کرنے  
 کے بعد انہوں نے چادر گھاٹ کالج میں داخلہ لیا جہاں انہیں انگریزی  
 الدین قادری اور اورجوہر حمید الدین شاہ جیسے اساتذہ سے استفادہ ہونے  
 کا موقع ملا۔ انٹر میڈیٹ میں ریڈیو تعلیم ہونے کے دوران وہ کالج کی ٹرام  
 انڈیا بیئر گرمیوں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ ہاشم حسن سعیدان کے  
 کالج کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ ابوالفیض سحر پہلے نشتر تخلص کرتے  
 تھے بعد میں انہوں نے سحر تخلص اختیار کر لیا۔ ابوالفیض سحر کے دلی جاننے  
 کے بعد ان کا تعلق جدید آباد کی ادبی سرگرمیوں سے کم ہونے لگا۔ لیکن



علی و ادبی کام کرنے کی تربیت جن اساتذہ سے حاصل کی تھی وہ دلی میں ان  
 کے ہیئت کام آئی۔ آج خدا کے فضل سے ملک کے صفِ اول کے قلم کاروں  
 ہیں ان کا شمار ہوتا ہے ابوالغنی سحر نے سیردن ملک میں قائم  
 ادبی انجمنوں کو اپنے بعض بہترین مضامین اور پیراشر تقریروں سے  
 نوازا ہے اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے دلی کی ادبی سرگرمیوں سے  
 اپنی پوری شناخت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ علی و ادبی کاموں میں بڑے  
 چترہ کر حصہ لیتے ہیں۔ دلی کے بڑے بڑے علی و ادبی اداروں سے  
 وابستہ ہیں۔ محسن اردو علی صدیقی کی قائم کردہ عالمی اردو کانفرنس کے  
 اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ دلی میں مستقل قیام ہے۔ ان کے گھر کا ماحول  
 مشرقی طرز حیات کا آئینہ دار ہے ان کے بچے تمام کے تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ  
 ہیں۔ سب علمے سب اردو زبان اور تہذیب سے آشنا ہیں۔ ابوالغنی سحر  
 کی زندگی قابل رشک ہے سحر صاحب نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کو پوری  
 طرح بروئے کار لایا۔ ان کا قدم آج بھی چل رہا ہے فکر و خیال کی خوشبو سے  
 سارے ادبی ماحول کو معطر کر رہے ہیں۔ ابوالغنی سحر میرے بہت ہی  
 اچھے دوست ہیں میری طرح حیدر آباد کے شاگرد ہیں رئیس اختر کو بھی  
 بہت قریب سے محسوس کرتے ہیں جب بھی حیدر آباد آتے ہیں تو ان سے  
 ملاقات ہو ہی جاتی ہے فون پر گفتگو کے علاوہ ادبی محفلوں میں بھی اپنے  
 لب و لہجے کی مٹھاس سے ساری محفل کو سحر کر دیتے ہیں۔ ترقی اردو بورڈ  
 کے اہم عہدہ دار کی حیثیت سے انہوں نے گجرات کی کمیونٹی کے لیے بہت کچھ کیا۔

لیجئے قیمتی مشوروں سے آواز دے رہے ہوں۔ انکسارات کے اکثر سربراہوں کی  
 تقریریں ابوالغیض شکر کی سربراہی میں کرتی ہیں۔ یہ کار خیر آج بھی جاری  
 ہے۔ اردو کے تمام ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں  
 اردو ادب کا کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو اسے بہترین خیالات سے  
 بات میں اضافہ کرتے ہیں۔ ابوالغیض شکر کی ساری زندگی مسلسل  
 کا اعلیٰ نمونہ ہے جب بھی حیدر آباد آتے ہیں اور ان دنوں کوئی ادبی  
 کام مجھ سے متعلق ادبی اجتماعوں کا ہونے والا ہوتا ہے شکر کو زمانہ عرصہ  
 کرتا ہوں۔ شکر صاحب نے ادبی مضامین انڈیا کے اہم ادبی رسالوں  
 میں شائع ہوتے رہتے ہیں کبھی کبھی ادبی رسالے میں ان کا کلمہ بھی  
 پڑھنے کو ملتا ہے۔ ”غوشیو کا سفر“ میں ان کے مضامین کے علاوہ ان  
 کی شاعری بھی شائع ہوتی رہتی ہے۔ شکر صاحب کا ہندی رشتہ  
 کل کیسی اقدار کا آئینہ دار ہے وہ ایک نئی نئی تہذیب کا علم ہیں۔  
 اردو کے قدیم ورثے کے تحفظ کے لیے ہی تحریروں کے ذریعہ متوجہ  
 کرتے رہتے ہیں۔ ان کا طرزِ تحریر پاک و صاف ہوتا ہے ان کا اعلیٰ اندازِ تحریر  
 ذہن کے کئی گوشوں کو منور کر دیتا ہے اندازِ خطاب بھی ساری محفل سے داد و تحسین  
 حاصل کرتا رہتا ہے شعر و ادب کے معاملات میں ان کے فکر و خیال کی روشنی بغیر  
 ثابت ہوتی ہے میں نے ایسے دوستوں پر ہمیشہ فخر محسوس کرتا رہا ہوں گا جنہوں نے  
 اپنی خداداد صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے سوشلزم میں اپنا ایک  
 اعلیٰ مقام بنالیا ہے۔ شکر میرے ایسے ہی دوست ہیں شامل ہے جن پر مجھے فخر حاصل ہے۔

# سعید بن حسن باغزال

(بزم عثمانیہ جدہ کے سرپرست۔ جدہ میں حیدر آبادیوں کے لیے سائبان)

نامور فرزندان جامعہ عثمانیہ کی ایک طویل فہرست ہے قیام  
جامعہ عثمانیہ کے بعد سے آج تک لاتعداد فرزندان جامعہ عثمانیہ اپنی اعلیٰ  
صلاحیتوں کے سبب ساری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا قابل  
ذکر مشعوبہ نہیں ہے جس میں جامعہ عثمانیہ کے پیروں نے اپنا نام نہ لکھایا ہو۔

دورِ حاضر میں جن کو میں جانتا ہوں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ  
ہے۔ پیردن ملک ہی نہیں اندرون ملک بھی اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں اس  
وقت حیدر آباد میں بھی بہ قہر جیات بے شمار عثمانین ہیں جو اپنی مادرِ جامعہ  
کا نام روشن کر رہے ہیں نبعِ دانش کدے اس قدر مشہور ہیں کہ جن کی وابستگی  
سے ہی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ میں ایسے بیسیوں فرزندانِ جامعہ  
عثمانیہ سے واقف ہوں جو فخرِ بہ طور پر فرزندِ جامعہ ہونے پر چھوڑے نہیں سکتے

حضرات ہی نہیں خوانین کی بھی ایک بڑی تعداد دخترانِ جامعہ عثمانیہ میں شامل ہے۔ یہ حضرات دانش کدے اتنے پُرکشش ہوتے ہیں کہ وہ اپنے فرزندوں کو ان کی زندگی کے سر موڑ پر یہ احساس دلاتے ہیں کہ چاہے وہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں کیوں نہ رہیں انہیں یاد رکھیں۔ وابستگی کا احساس معاشرہ میں برگزیدہ بنا دینا ہے جزیہ و وابستگی ہر مشکل مرحلہ پر نہ صرف ایک قوت عطا کرتا ہے بلکہ حوصلہ دلاتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو کسی ادارے یا کسی مرکز سے اپنا رشتہ رکھتا ہے اگر وہ باظرف ہو تو تمام زیست ان اداروں اور ان مراکز کے احسانات کو کبھی بھی قبول نہیں سکتا۔ ممتاز عثمانین سعید بن محسن باغزال جو زائد از ۳۰ برسوں سے جلدہ میں مقیم ہیں اس بات پر مسرت محسوس کرتے ہیں کہ وہ عثمانین ہیں وہ مادرِ جامو کو قبول نہیں ہیں شاید یہی جذباتی لگاؤ ہے جس کے زیرِ اثر وہ جلدہ میں قائم بزم عثمانیہ جلدہ سے وابستہ ہیں صرف وابستہ ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے سربراہ بھی ہیں اور کئی برسوں سے بزم عثمانیہ جلدہ کا علمی ادبی، شعری و تہذیبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں بزم عثمانیہ کی بھرپور و فعال چرل سکریٹری عارف قریشی کمر پور تھی کرتے ہیں بزم عثمانیہ جلدہ کے تمام پروگرامس کے انعقاد میں ان کی مشاورت اور ان کی سرپرستی کا بیڑا دخل رہنا ہے سعید صاحب عارف قریشی کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے متاثر ہیں ہی وجہ ہے کہ وہ عارف قریشی کا برسوں سے ساتھ دے رہے ہیں سعید بن محسن باغزال حیدر آباد کی پہلی ممتاز شخصیت ہیں جو جلدہ میں قدم و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں سعید صاحب کے سودا سربراہانِ حکومت سے مراحم ہیں

سعودی شہر ملاو میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں وہ خود بھی سعودی  
 عرب کے شہری ہیں سجد بن محسب باغزال فرزند جامعہ عثمانیہ مدونے کی وجہ  
 سے جامعہ کی تہذیبی روایات کو محسوس کرتے ہیں۔ حیدر آبادی تہذیب اعلیٰ  
 اقدار اور تہذیب محترمت کی شدت سے پاسداری کرتے ہیں سجد بن حسن  
 باغزال سے میں ۲۰ برس پہلے واقف ہوا جب وہ عابد علی خان اور جگر صاحب  
 سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آنے تھے جگر صاحب نے میرا اُن سے  
 تعارف کروایا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ اُن کی حیدر آباد آمد کے سلسلے میں سیاست  
 کے لیے بیوز بناؤں۔ سعید بن حسن باغزال اسی زمانے میں حیدر آباد کی گنگا جی  
 تہذیب کے پس منظر میں سیاست میں بہت ہی عمدہ مضمون شائع ہوا تھا  
 وہ مضمون پڑھنے کے بعد میں بہت متاثر ہوا جی چاہا کہ اگر وہ حیدر آباد آئیں تو  
 اُن سے مل لوں۔ جب وہ دوبارہ حیدر آباد آئے تو میں نے اُن سے خواہش  
 کی تھی کہ وہ حیدر آباد سے متعلق مضامین سے ہمیں نوازیں۔ اس کے بعد ان کے  
 کچھ مضامین سیاست میں شائع ہوئے۔ جب ۱۹۹۶ء میں حیدر میں ۲۰ سال  
 جشن حیدر آباد تقاریب کا اہتمام کیا گیا تو اس تقریب کے سلسلے میں بھی اُن کا  
 بڑا تعاون رہا۔ نہایت شاندار پہیلے پر جشن حیدر آباد تقاریب منعقد ہوئیں  
 ان تقاریب کے دوران ایک دن مشاعرہ بھی ہوا جس میں حیدر آباد کے مہمان  
 شعراء کے علاوہ سعودی عرب میں مقیم حیدر آبادی شاعروں نے کلام سنایا تھا  
 حیدر آباد سے میرے علاوہ ڈاکٹر حکیم، اعلیٰ الدین نوبہ، حامیت اللہ، بوگس  
 حیدر آبادی، مصطفیٰ علی بیگ، طالب عثمانی، صیغت اللہ میاں، و غیرہ

نے بھی شرکت کی تھی۔ جشنِ جیدر آباد تقریب میں جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین جگر، جناب ہاشم علی اختر اور جناب صلاح الدین اویسی بھی مدعو تھے سعید بن حسن باغزال اُنس جیدر آبادیوں کی محفل میں نال رنگ کی رومی ٹوپی پہنے ہوئے، اعلیٰ درجہ کی شیروانی زیب تن کیے ہوئے خالص قدیم جیدر آبادی دکھائی دے رہے تھے جشنِ جیدر آباد تقاریب کے بعد بزم عثمانیہ جلدہ کے زیر اہتمام ۱۹۹۲ء میں ایک مشاعرہ ہوا۔ امیر احمد خسرو رئیس اختر اور میں نے شرکت کی تھی دوسرا مشاعرہ انڈین ایمبسی اسکول کی جانب سے ہوا اتفاقاً جس میں میں اور رئیس اختر نے جیدر آباد کی نمائندگی کی تھی۔ عارف قریشی کی منتخبی دلچسپی کے علاوہ سعید بن حسن باغزال صاحب کی مرضی کو بھی دخل تھا کہ ہم ان دونوں مشاعروں میں مدعو رہیں۔ سعید بن حسن باغزال نے جدہ میں ہماری بہت پزیرائی کی۔ اپنے دولت خانہ پر ایک پُر تکلف عثمانیہ دیا۔ ہمارے مراسم ان دو مشاعروں کے بعد کچھ زیادہ ہی مستحکم ہوئے جیدر آباد کو وہ کسی نہ کسی بہانے جب تک بھی آتے ہیں اُن سے لازمی طور پر ملاقات ہوتی ہے اگر ان کے قیام کے دوران ان کے کسی عزیز کے ہاں شادی کی تقریب ہو تو وہ لازماً مجھے اور رئیس اختر کو مدعو کرتے ہیں سعید صاحب ایوانِ پیرس معظمہ شہجیع کے مشاعروں کے علاوہ ادارہ میراث شہر میرے لوگ کی ادنیٰ محفلوں اور مشاعروں میں بہ حیثیت مہمان خصوصی مدعو رہے ہیں۔ ان کی پُراثر تحریر کی طرح ان کا طرزِ مخاطب بھی متاثر کن ہوتا ہے جدہ میں جیدر آبادیوں کے لیے سعید بن حسن باغزال سہا بن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیدر آبادیوں کے مسائل کو سلجھانے میں پیش پیش رہتے ہیں

نہایت ہمدرد با مروت انسان ہیں۔ ہاشم علی اختر، ڈاکٹر منان اور نواب  
 شاہ عالم خان سے بھی ان کے دو کتابہ مراسم میں جب کبھی وہ حیدر آباد میں  
 توان کا قیام اختیار فرماتے ہیں (فدا علی) کے مکان میں رہتے ہیں۔ صاحب  
 معلومات کا خزانہ ہیں جبر و سہار کی گنگا جمنی تہذیب اور قدیم روایات حیدر آباد  
 وہ ایک جامع کتاب سمجھ سکتے ہیں اگر وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں تو حیدر آباد  
 کی بڑی خدمت ہوگی بلکہ فرزند جامع عثمانیہ ہونے کے ناتے ایک اخلاقی فیض  
 کی تکمیل ہوگی۔ سعید بن حسن باغزال جب کبھی سیاست آتے ہیں تو ان سے ملنا  
 ہو جاتی ہے۔ حیدر آباد میں سعید صاحب کے دو سٹوں کی ایک بڑی تعداد ہے  
 سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب جناب محمود بن محمد سے بھی ان کے اچھے مراسم  
 ہیں خلیل الرحمن صاحب سابق ایم پی سے بھی روابط ہیں۔ سعید بن حسن باغزال  
 نہایت مخلص، خالص حیدر آبادی مزاج کی حامل شخصیت ہیں آئینہ مثال ان  
 کی شخصیت نے مخاطب کو ہمیشہ متاثر کیا۔ شعری و ادبی کتابوں کے مطالعہ سے غامی  
 دلچسپی رکھتے ہیں جب بھی حیدر آباد آتے ہیں تو اپنی پسند کی کچھ کتابیں خریدتے ہیں  
 سعید صاحب اس بات پر مسرت محسوس کرتے ہیں کہ حیدر آباد میں علمی و ادبی  
 شعری و تہذیبی سرگرمیاں پوری آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔ حیدر آباد کی خاص  
 خاص علمی و ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں ان کی یہ خواہش رہتی ہے کہ حیدر آباد  
 کا ہر باصلاحیت قلم کار شعر و ادب کی دنیا میں سے وہ سرزمین حیدر آباد کی خوشبو سے  
 اپنے دل و جان کو نہکاتے رہتے ہیں اپنے حیدر آبادی ہونے پر فخر محسوس  
 کرتے ہیں ان کی وضع داری ایک مخصوص انداز سے خوشبو کا سطر طے کر رہی ہے

# حسن چشتی

(تہذیبی سیفر۔ شکاگو میں حیدر آباد کی پہچان)

معاشرہ میں یعنی لوگ اس طرح کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا کسی سے  
 یہ ظاہر کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ نہ تو خون کا رشتہ، نہ اخلاص و محبت کا، نہ دوستی و  
 دشمنی کا۔ پھر بھی بعض شخصیتیں کچھ اس قدر متاثر کن ہوتی ہیں کہ جن کے بارے  
 میں جاننے کے لیے طبیعت مائل ہو جاتی ہے جن کے بارے میں خود بہ خود ایک  
 ایسی رائے قائم ہو جاتی ہے کہ معاشرہ میں وہ قابل ذکر ہو جاتے ہیں جن کی  
 سرگرمیاں اور جن کے کارنامے اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ وہ معاشرہ  
 کے ایک اہم رکن ہیں اور ایک ایسے رکن ہیں جن پر ہمیشہ لوگوں کی نظریں  
 جمی رہتی ہیں۔ اپنے فلاحی، شعری، ادبی، علمی و تہذیبی کارناموں کے  
 حوالے سے کچھ کر دکھانے والے لوگوں کی زندگی دنیا والوں کے لئے رہتی ہے۔  
 سست نگاہی، سوپن سوپن کر قدم بڑھانا ان کے فطری بہاؤ کے معاشرہ ہوتا  
 ہے وہ اپنی سرگرمیوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کا ہر فلاحی، تہذیبی و



ثقافتی عمل کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ جس کام کو تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں وہ عملی اقدام کے ساتھ کامیاب و کامران رہتے ہیں چونکہ ان کا ہر قدم صراطِ مستقیم کی طرف بڑھتا رہتا ہے اس لیے سرورِ دہکارِ عالم اُن کی خوشیوں کو پورا کرتا ہے اُن کی نیک نیتی اور ان کے نیک اقدام کو کامرانی کی طرف موثر دیتا ہے اس طرح کے لوگ جب مست و سرشار رہتے ہیں تو نہ تو وہ جسمانی تھکن محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ذہنی تھکن۔ بلکہ اچھے اور انسانیت کے فائدے کے لیے کئی سہولتیں پیدا کرتے ہیں۔ انہیں ایک ایسی طاقت ملتی ہے جو ان کے دل و دماغ کو گرماتی رہتی ہے اُن کے جسم کی حرارت اُن کی رگوں میں بہتے ہوئے خون کو ہر لمحہ خارج پیش کرتی رہتی ہے۔ اس تہمدی تحریر کی روشنی میں امریکہ (شکاگو) میں پیدا ہوئے تھے جسے سیف حسن چشتی کی جانب خود بخود نظر اٹھ جاتی ہے۔ حسن چشتی صاحب شکاگو میں خاص طور پر حیدرآبادیوں کے لیے اور ایسے حیدرآبادیوں کے لیے جو نجی اور غیر نجی مسائل میں گھرے رہتے ہیں مسیحا کا کام کرتے ہیں اُن کے لیے سائبان کی حیثیت رکھتے ہیں میرے کچھ احباب جن کا شکاگو آنا ہمارا مقصد ہے وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ حسن چشتی حیدرآبادیوں کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو اُن کے لیے نہیں ہوتا ہے اگر کوئی حیدرآبادی روزگار کی تلاش میں غیر یقینی حالات سے گزر رہا ہے تو وہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ اس کے مسائل کو جلد از جلد یکسوئی ہو جائے وہ اس سلسلے میں ہر ممکنہ تعاون کرنے ہیں اور بڑی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب رہتے ہیں۔ میں نے اپنے بعض دوستوں سے یہ بھی سنا ہے کہ اگر کسی حیدرآبادی کو شکاگو سے حیدرآباد

آنا ہے اور اس کے ہاں واپسی کے ٹکٹ کے پیسے نہیں ہیں تو وہ کسی نہ کسی طرح اس کے ٹکٹ کا انتظام کرتے ہیں انہیں کسی بھی حیدر آبادی کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ شکاگو میں مقیم حیدر آبادیوں سے ان کے بہت ہی اچھے دوستانہ مراسم ہیں ان کے مختلف مسائل کی یکسوئی کے لیے بھرپور تعاون کرتے ہیں حسن چشتی ایک طویل عرصہ سے شکاگو میں مقیم ہیں گرین گارڈ ہولڈر ہیں۔ شکاگو میں کوئی علمی، ادبی و تہذیبی ایسی انجمن نہیں ہے جس سے حسن چشتی کا کسی نہ کسی حیثیت سے واسطہ ہو۔ تمام حیدر آبادیوں سے انہیں دلی لگاؤ ہے یہ سب کچھ وہ حیدر آبادی محبت میں کرتے ہیں حیدر آبادی کی مٹی کی خوشبو ان کے جسم و جاں کا ایک الٹا حصہ بنی ہوئی ہے حیدر آبادی کی خوشبو ان کی سانسوں کو مہکاتی رہتی ہے اور یہ مہک شکاگو کی ہر تہذیبی و ثقافتی محفل میں اثر انداز رہتی ہے حسن چشتی جدہ سے ۲۰، ۲۲ برس پہلے شکاگو منتقل ہوئے۔ اس سے پہلے وہ جدہ میں تھے جہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں کارہاے نمایاں انجام دیتے رہے۔ ان کے تمام نامکمل کام جدہ میں ان کے عزیز دوست عارف قریشی نہایت سلیقے سے انجام دے رہے ہیں شکاگو میں علمی و ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے کے علاوہ وہ فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے یہی تہذیبی ذہن جدہ میں شروع کی ہوئی سرگرمیوں کو شکاگو میں پائے نکالیں تو پہچاننے میں سرگرم عمل ہے جدہ میں ان کے رفقاءے کار میں عارف قریشی زیادہ نمایاں تھے جدہ کی ایک بزرگ شخصیت، مہتمم غلامین سعید بن حسن باغزال سے بھی وہ مختلف پروگرام کے سلسلے میں تعاون

حاصل کرتے تھے۔ حسن چشتی جب تک حیدر آباد میں رہے وہ اپنی مثالی و  
فعال شخصیت کی وجہ سے مختلف قسم کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں مصروف رہے  
جامعہ عثمانیہ کی ملازمت کے دوران اپنے آفس کی ذمہ داریوں کو دو قار خشا  
بیسویں ضرورت مند طلباء کی مدد کی۔ اساتذہ سے دوستانہ مراسم رکھے۔  
طلباء کے لیے مشفق رہے کسی زمانے میں حسن چشتی اکاش کے نام سے ایک رسالہ  
نکالتے تھے اُن سے حیدر آباد میں میری ملاقات کہیں بھی نہیں ہوتی تھی بلکہ الفاظ  
دیگر اُن سے میری پہچان کا آغاز اُن کی جدہ کی تہذیبی زندگی سے ہوتا ہے وہ  
جدہ میں مختلف تہذیبی و ادبی پروگراموں کے انعقاد میں خاصی دلچسپی لیتے  
رہے۔ ان کی سرگرمیوں کی خبریں اخبار سیاست میں چھپی رہیں۔ بنگالہ کو متعلق  
ہونے کے بعد بھی انہوں نے جدہ کی ادبی و علمی و تہذیبی سرگرمیوں کو شکاگو  
کی محفلوں تک پہنچایا۔ سیاست اخبار کے ذریعہ اُن کی ادبی سرگرمیوں کا  
اندازہ ہوتا رہتا ہے شکاگو میں مشاعروں کے انصرام و اہتمام میں بھی کافی  
دلچسپی لیتے ہیں۔ اگر حیدر آباد کی کوئی سرکردہ ادبی شخصیت شکاگو پہنچے  
تو وہ اُن کے طرے مقدم کے لیے لازماً ادبی محفل سمجھتے ہیں ان کی سرگرمیوں  
میں مشاعروں کو بھی بڑا دخل رہتا ہے حسن چشتی بہت اچھے شاعر ہیں بہترین  
نثر نگار بھی ہیں معروف مقرر بھی ہیں حسن چشتی صاحب کو اردو زبان و  
ادب سے گہری دلچسپی ہے ان کی اس دلچسپی کا اظہار مختلف مواقع پر ہوتا  
رہتا ہے گزشتہ ۵۰ سال سے سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ و مسلم  
یونیورسٹی، الیگزینڈریا، جناب سید یاشم علی اختر شکاگو میں مقیم ہیں جن کے حسن چشتی صاحب

اچھے خاصے دوستانہ مراسم ہیں حسن چشتی صاحب ہاشم علی اختر صاحب کی اکثر  
تحریریں اجارات و رسائل میں اشاعت کے لیے روانہ کرتے ہیں چنانچہ  
حیدرآباد میں ماہنامہ سب رس اور خوشبو کا سفر میں ان کی تحریریں شائع  
ہو چکی ہیں اور یہ خوشگوار سلسلہ جاری ہے حسن چشتی نہایت وجہ، وضع دار  
اور فعال شخصیت کے مالک ہیں اپنی عمر کے ۸ دس دہے کے قریب پہنچنے  
کے باوجود بھی وہ چاق و چوبند ہیں۔ وہ نوجوانوں کی طرح علی و ادبی  
کاموں میں مصروف رہا کرتے ہیں حسن چشتی کے مراسم صرف حیدرآباد حلقہ  
دانشوران تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے مراسم کا دائرہ بہت وسیع ہے  
ادبی دنیا کے ہر خط میں رہنے والے اہل قلم اُردو والے اُن کے نام سے واقف  
ہیں حسن چشتی ۴۵ سال کے وقفہ سے حیدرآباد آتے ہیں اور یہاں اپنے  
تمام قدیم دوستوں، مشنا ساؤں، رشتہ داروں سے فرداً فرداً ملاقات کرتے  
ہیں ہر ایک سے ملاقات کے وقت اُن کے چہرے کے نقوش سے پتہ چلتا ہے کہ وہ  
صمیم قلب کے ساتھ مل رہے ہیں۔ ان کی ملاقات میں تمنع نہیں رہتا۔ کھلے  
دل و دماغ کے آدمی ہیں حیدرآباد آنے کے بعد اپنی پسند کی بہت سی کتابیں  
حمایہ بک ڈپو سے خریدتے ہیں حیدرآباد کے علمی و ادبی اداروں کے سربراہوں  
اور ان کے کارکنوں سے ملاقات کرتے ہیں حسن چشتی صاحب کے اعزاز  
میں بھی مختلف اداروں کی جانب سے تحفے آراستہ کی جاتی ہیں یہ سب  
اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ایک یارِ باش، بامروت اور شریف النفس  
انسان ہیں حسن چشتی صاحب سے میراتھذیبی اور شاعرانہ رشتہ ہے

ایک دوسرے کو محسوس کرنے کا رشتہ ہے غلو ص و محبت کا رشتہ ہے ۔  
 حیدر آباد میں اب بھی ان کے بے شمار دوست و احباب موجود ہیں میرے  
 حلقہ احباب میں رئیس اختر اور ہاشم حسن سعید سے ان کے قریبی مراسم ہیں  
 رئیس اختر سے خط و کتابت اور ذریعہ فون رابطہ قائم ہے ہاشم حسن سعید  
 سے فون اور ای میل کے واسطے سے ادبی و تہذیبی رشتہ برقرار ہے اخبار  
 سیاست سے ان کا گہرا تعلق ہے عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر  
 صاحب سے ان کے اچھے روابط تھے سیاست کے قدیم اسٹاف سے ان کا  
 خیر سگالی رشتہ مر وابطا ہے حسن چشتی شکارگو میں حیدر آباد کے تہذیبی سفیر ہیں  
 جس طرح جدہ میں عارف قریشی حیدر آبادیوں کے تہذیبی سفیر ہیں حسن چشتی  
 صاحب جیسے لوگ ہی اپنے بہترین کارناموں، انسانی رشتوں، اعلیٰ  
 اقتدار کی پاسداری اور اپنی ذاتی شرافت کی وجہ سے معاشرہ کا اہم حصہ بنے  
 رہتے ہیں۔ ہم حیدر آبادیوں کے لیے یہ بات باعث فخر و مباہات ہے  
 کہ وہ شکارگو میں حیدر آبادی تہذیب اور حیدر آباد کی اعلیٰ روایات کے ترجمان  
 ہیں۔ خدا انہیں طویل عمر عطا کرے تاکہ ان کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں  
 کے سبب ہم سب زیادہ سے زیادہ مسرت محسوس کرتے رہیں۔

# عارف قریشی

(سیفِ اُردو برائے جدہ سعودی عرب) (کارکرد و فعال شخصیت)

معاشرہ میں اپنی ہمار قرار سرزمینوں کی یہ دولت رواں دواں ہے  
 والے لوگ جہاں کہیں بھی رہیں اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ نجد و فکر  
 رکھنے والے لوگ زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور ایسے لوگ جو زندگی کے سفر میں  
 سست گام رہتے ہیں ان حالات کبھی ساتھ نہیں دیتے۔ معاشرہ میں وہی  
 لوگ زندہ رہتے ہیں جو اب ایک پل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سے  
 مستفید ہوتے رہتے ہیں صحیح ڈھنگ سے زندگی گزارنے والے لوگ نہ صرف  
 خود کو بچے بلکہ اپنے اہل خاندان کے لیے بلکہ ہمارے معاشرہ کے لیے مشعل راہ بنے ہوئے  
 رہتے ہیں تاکہ ان کی راہوں سے گزرنے والے لوگ اپنی منزل مقصود پر بلا کسی  
 رکاوٹ کے پہنچ سکیں کسی نے صحیح کہا ہے کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے اگر تم  
 ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہو تو تو حالات ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں

اور نہ ہی وقت ہمارا ساتھ دے سکتا ہے۔ زندگی مختلف النوع خصوصیات سے عبارت ہے اس کے مختلف رنگ بہتے ہیں زندگی کے چھوٹا مٹی موسم سے استنار ہتے ہیں اور ایسے ہی لوگ زندگی کا صحیح لطف اٹھا سکتے ہیں جو زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہونے ہیں جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ زندگی کس طرح گزاری جائے زندگی کی قدر و قیمت کیا ہے وہ ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی کرنے ہیں خود ان کے لیے اور معاشرہ کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے خاص طور پر ایسے لوگ جو اپنی زندگی کو پیرسرت محلوں سے ہم کنار کرتے ہیں وہ معاشرہ ہی لائسیت کے حامل رہتے ہیں ان کے وجود کی روشنی معاشرہ کو جگمگاتی رہتی ہے خوشی و مسرت کا اہتمام لے کر آتی ہے۔ اس قسم کی مختلف النوع خصوصیات کی حامل جبر باد کی ایک ایسی شخصیت جیفیں ہم سب سیفر اردو سماجہ سودی عرب کہہ سکتے ہیں۔ کوئی کہے نہ کہے میں تو کہوں گا اور میرا تجربہ بتاتا ہے کہ عارف قریشی نے زبان و ادب کے لیے ریا غیر ہیں ایسے ایسے کا نام لے کر انعام دیتے ہیں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ عارف قریشی تفرجاً ۲۵ برس سے جدہ (سعودی عرب) میں مقیم ہیں ان ۲۵ برسوں میں انہوں نے جدہ میں کئی علمی و تہذیبی شعری و ادبی محفلوں کا انعقاد عمل میں لایا۔ عارف قریشی اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے۔ اردو اُتس کانج (اردو ہال) میں بی اے کے طالب علم رہے جامعہ عثمانیہ سے گریجویشن کی ڈگری لی۔ اپنی ذاتی کوششوں سے اپنی زندگی کو معاشی آسودگی دینے کے لیے جدہ (سعودی عرب) میں ملازمت اختیار کر لی۔ اپنے معاشی حالات کو بہتر سے بہتر بنایا۔ عارف قریشی نے صرف روپیہ کمانے میں ہی اپنا وقت صرف نہیں کیا بلکہ

انہوں نے علیٰ ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا بھی آغاز کیا۔ ان برسوں میں عارف قریشی نے  
 بے شمار تہذیبی و ثقافتی تقاریب کا اہتمام کیا۔ وہ جلد کے ایک جہاں بہار اسلام  
 سربراہ کردہ شخصیت کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتے ہیں جدہ کی اہم شخصیتوں  
 سے ان کی اہم دراہ ہے ان کے روابط کا دائرہ صرف ہندوستانی، پاکستانی اور دنیا  
 کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے لوگوں کی حد تک محدود رہیں ہے بلکہ انہوں  
 نے سعودی عرب کے شیوخ اور سعودی باشندوں سے بھی اپنے مراسم قائم کئے، روابط  
 بڑھائے۔ عارف قریشی جدہ میں حکومت کے سربراہوں کی نظر میں بھی رہا کرتے ہیں  
 خاص طور پر حکومت ہند کے عہدہ داروں، سفیر ہند برائے سعودی عرب سے ان کے  
 مراسم نے ان کی تہذیبی شخصیت کو ہمکانے میں اہم رول ادا کیا ہے عارف قریشی  
 انڈین ایسوسی ایشن کے اشراف سے بھی مخلصانہ روابط رکھتے ہیں جب کہ حکومت ہند  
 کے عہدہ داروں، پیر و گرام ترقی دینا چاہتے ہیں یا سعودی عرب میں ان  
 کے لیے کوئی مسئلہ درپیش ہو تو دیگر نامزد ہندوستانیوں میں عارف قریشی بھی شامل  
 رہتے ہیں عارف قریشی اس طرح کی سرگرمیوں کے سلسلے میں ایک رکن بھی رہتے ہیں  
 ان سے ضروری مشورہ حاصل کیا جاتا ہے عارف قریشی کو مشاعروں اور محفل موسیقی کے  
 اہتمام کرنے کے لیے ملوث ہے سال میں ایک دو بار و گرام ضرور منعقد کرتے ہیں۔ ذاتی طور  
 پر بھی احباب کی مشاورت و تعاون کے سبب بھی۔ جامعہ عثمانیہ سے اپنی وابستگی  
 کے اظہار کے لیے اور اس سے اپنی وابستگی کی وجہ سے بھی انہوں نے جدہ میں  
 بزم عثمانیہ جدہ قائم کی۔ بزم عثمانیہ جدہ کے زیر اہتمام عارف قریشی نے بے شمار  
 پیر و گرامس پیش کیے ہیں نہ صرف یہی بلکہ بڑے بڑے مشاعروں کا اہتمام بھی کرتے



رہے ہیں اور محفل موسیقی بھی آراستہ کرتے رہے ہیں جو حضرات اس سلسلے میں جلد آنے میں اگر ان کا تعلق کسی تہذیبی و ادبی ادارے سے ہو تو ان حضرات کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کے لیے محفل آراستہ کرتے ہیں عارف قریشی، انڈین سوسائٹل ویلفیئر اسوسی ایشن کے سربراہ بھی ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے کئی علمی اداروں کی رقی مادہ کی ہے۔ جب کبھی وہ حیدرآباد آتے ہیں تو کئی کار خیر اپنی موجودگی میں انجام دیتے ہیں اور وہ اگر وہ بھی آئیں تو کچھ ایسا انتظام کرتے ہیں کہ مستحق اداروں کی مدد کی جاتی رہے۔ عارف قریشی سے میری شخصی ملاقات آج سے ۲۰ برس پہلے ملتان و مزاحم کے نامور شاعر بوگس حیدر آبادی کی معرفت ہوئی۔ بوگس حیدر آبادی اردو آئس کالج میں ان کے ہم جماعت تھے چونکہ عارف قریشی طالب علمی کے زمانے سے ہی تہذیبی و ادبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے اس وجہ سے انہوں نے جلد یہ سوچنے کے بعد بھی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ عارف قریشی نے عظیم الشان پیپانے پر مشاعرے بھی منعقد کیے اور محفل موسیقی کا بھی انتظام کیا۔ اس طرح کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اپنی انجمنوں سے ہٹ کر وہ انڈین ایمپلسی اسکول جلد کے زیر انتظام ہونے والے مشاعروں کی مشاہرتی کمیٹی کے ایک رکن بھی رہے ہیں ان کے مشاعروں میں ہندوستان اور پاکستان کے تقریباً تمام نامور شعرا۔ شرکت کر چکے ہیں عارف قریشی کی دعوت پر ہمیں دو دفعہ جگہ مشاعرہ میں شرکت کر چکا ہوں۔ میں نے ۱۰ سالہ جشن حیدر آباد تقاریب ۱۹۷۶ء میں بھی شرکت کی تھی۔ اس مشاعرہ میں حیدرآباد کے مشاعروں میں میرے علاوہ حمایت اللہ، علی الدین نوید، بوگس حیدر آباد، صیغۃ اللہ بھاٹ، طالب خوند میری نے بھی شرکت کی تھی عارف قریشی ۱۰ سالہ جشن حیدر آباد

کے لیے ہی مقرر عمل رہے۔ جدہ میں نہایت شاندار سپانے پر جشن  
حیدر آباد تقاریب ہوئیں جن میں عابد علی خان صاحب، محبوب حسین جگر  
ہاشم علی اختر، سلطان صلاح الدین ادیبی نے شرکت کی تھی۔  
عارف قریشی نے بزم عثمانیہ کے زیر اہتمام منعقد کیے جانے والے مشاعروں  
کے سلسلے میں ادبی میگزین بھی شائع کیے ہیں یہ میگزین حیدر آباد  
میں طبع ہوئے۔ میگزین کی ترتیب و ترتیب اور اس کی صورت گیری  
کے مراحل میں میں نے عارف قریشی کا ساتھ دیا۔ عارف قریشی کی شخصی  
دلچسپی سے حیدر آباد کے شاعروں کے نعتیہ کلام پر مشتمل کتاب فیضانِ رسول  
کے نام سے شائع ہوئی۔ جس میں ہر شاعر کی ۴۴ نعتیں شامل ہیں اس  
مجموعہ کی ترتیب میرے ذمہ تھی اس کے علاوہ اس کتاب سے قیل مرزا  
شکور بیگ کے نعتیہ کلام کی کتابت کے مرحلے سے طباعت کے مراحل تک  
میں نے مکمل تعاون کیا۔ یہ کتاب میری زیر نگرانی شائع ہوئی۔ بزم عثمانیہ  
جدہ کے زیر اہتمام حیدر آباد کے مشہور شاعر سومن خان شوقی کا مجموعہ کلام  
کرن کرن اُجالا بھی شائع ہوا اس کی اشاعت بھی میرے ذمہ تھی۔  
۱۹۹۸ء میں عارف قریشی نے بزم عثمانیہ جدہ کی جانب سے میری منتخب  
غزلوں پر مشتمل ایک مجموعہ کلفت اں کے نام سے شائع کیا۔ عارف قریشی  
جب بھی حیدر آباد آتے ہیں کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزارتے ہیں۔  
ان کے اعزاز میں ہمارے شہر میں کچھ ادبی محفلیں بھی منعقد ہوا کرتی ہیں۔  
وہ علمی و ادبی اداروں کی اعانت کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے ہیں

میں نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے علاوہ ابوان پرنس منظرِ جاہ کے  
 مشاعرہ میں عارف قریشی کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا۔ حیدر آباد  
 کے رشتہ داروں میں رئیس اختر نہ صرف ان کے پسندیدہ شاعر ہیں بلکہ  
 ان کے عارف قریشی کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم ہیں سیاست اخبار  
 سے ان کے دیرینہ مراسم ہیں جدہ کی علمی، ادبی و تہذیبی تقاریر کی رپورٹ  
 سیاست کے لیے روانہ کرتے ہیں ان کی تحریریں اہتمام کے ساتھ شائع  
 ہوتی ہیں۔ زاہد علی خان صاحب سے بھی ان کے اچھے خالص مراسم ہیں عارف  
 قریشی نے سیاست اخبار کے لیے اپنی بے شمار تحریریں روانہ کیں جو اشاعت  
 پذیر ہوئیں۔ عارف قریشی نہایت صاف گو، پاک و صاف، ذہین و  
 تیز کے مالک ہیں، مخلص، یامروت شخص ہیں ان کی رشتوں کے قدردان  
 ہیں۔ تہذیب و تہذیب یافتہ لوگوں کی صحبتوں میں رہتے ہیں ان کے  
 احباب میں مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ہیں  
 عارف قریشی ایک پارہ صفت انسان ہیں اور اپنی فعالیت سے  
 معاشرہ میں پھل مچاتے — رہتے ہیں خود بھی سرگرم عمل رہتے ہیں اور  
 دوسروں کو بھی مصروف رکھتے ہیں عارف قریشی عزت و شہرت سے  
 نوازے جانے کے باوجود، غرور و تکبر جیسی محرکات سے میرا ہیں، دین دار  
 نیک دل، انسانیت نواز اور مخلص ترین انسان ہیں، انہیں اپنی  
 زبان، اپنی تہذیب سے والہانہ تعلق ہے جس کا ثبوت اکثر و بیشتر  
 مختلف نوعیت کے ادبی و تہذیبی پروگراموں کے انعقاد سے دیکھتے

میں۔ عارف قریشی ماسخی اعتبار سے محکم ہیں ان کے گھر کا ماحول مشرقی  
 تہذیب کا آئینہ دار ہے مہذب معاشرہ کی نمائندہ شخصیت میں جدہ  
 میں قدیم نامور عثمانین سعید بن حسن باعز ال کی تعظیم و تکریم  
 میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ سبزم عثمانیہ جدہ اردو دیلیغیر سوسائٹی کے  
 وہ سربراہ ہیں جدہ میں ادبی و تہذیبی تقاریب کے علاوہ شاعر و لکے  
 انقاد کے سلسلہ میں ان کی سرپرستی حاصل رہتی ہے سعید صاحب بھی۔  
 عارف قریشی کی سرگرمیوں سے نہایت مطمئن رہتے ہیں بلکہ خوش ہوتے  
 ہیں حیدرآباد سے متعلق کوئی خاص بات ہو تو وہ مجھ سے فون پر معلوم  
 حاصل کر لیتے ہیں سلسلہ خط و کتابت بھی جاری ہے میری نظر میں گذشتہ  
 زائد از ۲ برسوں سے جس انداز سے عارف قریشی نے جدہ میں ادبی و تہذیبی  
 (شاعری۔ موسیقی) کی محفلوں کا اہتمام کیا ہے کسی اور حیدرآبادی نے  
 نہیں کیا اسی لیے میں انہیں سبفر اردو براجمہ سحودی عرب کہتا ہوں میرا  
 دُعا ہے کہ خدا عارف قریشی کی عمر دراز کرے اور ان سے اسی طرح زبان و  
 ادب کا کام لیتا رہا۔ مجھے کس بات کا کھلے دل سے اعتراف ہے کہ عارف  
 قریشی نے مجھے حیدرآباد کے شاعروں میں زیادہ اہمیت دی۔ مجھ پر بھروسہ  
 کیا۔ ادبی و تہذیبی کاموں کے سلسلے میں اعتماد کیا۔ عارف قریشی کی روان  
 دو ان شخصیت کی مرثانی ادبی سرگرمیاں مجھے یقین ہے کہ ان انداز  
 سے جاری رہیں گی پورے اعتماد و تازگی کے ساتھ

# عبدالرحیم آرزو

(ممتاز قانون راول۔ نامور شاعر۔ معتبر شخصیت)

جب کبھی کسی دوست سے کہتا ہوں کہ میں لکھنے کو بیجا ہوتا ہوں تو خیالات کے طوفان امنڈنے لگتے ہیں اور جب تم تم کرتا چلنے لگتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی آبشار اونچی اونچی پہاڑیوں کی چوٹیوں سے نیچے اترتے ہوئے دھیرے دھیرے زمیں پر ہو رہا ہے۔ وہ صوفی کے قدم چوم رہا ہے (لیکن روانہ کی زیریں پر ہمیشہ تابندہ و زندہ رہتی ہیں تب ہی تو کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں حیات آفریں مناظر جلوہ گر ہوا کرتے ہیں۔ ہر دور کے منتخب لوگوں میں کچھ ایسے منفرد لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی شرافت، اصول پسندی، نیک نفسی، میانہ روی، بردباری، رواداری اور وضع داری کی وجہ سے یاد کیے جاتے رہیں گے جو لوگ اپنی زندگی کے صحیح و شام کو ایک خاص پنجہ اور خال طرح داری کی نذر کرتے ہیں وہ اپنی بہترین خدمات، عمدہ کارناموں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب انسانی تہذیب کی تاریخ میں نہ صرف اپنا ایک اعلیٰ و بلند مقام

بنالینے ہیں بلکہ زندگی بھر اپنی خصوصیتوں کے ساتھ اپنے وجود کا احساس  
 دلاتے رہتے ہیں۔ کئی موسم آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن مستقل مزاجی  
 ثابت قدمی، موصصلے اور حرکات کے ساتھ جینے والے لوگ اپنی روش، اپنے  
 رویے، اپنے سلوک اور اپنی رسم و راہ سے معاشرہ کے ہر پہلو کو آجالوں کی  
 سوغات سے سرفراز کرتے رہتے ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے  
 لیے کم اور دوسروں کی بہتری کے لیے زیادہ سرگرم عمل آ رہا کرتے ہیں جن کی زندگی  
 کا ایک ایک لمحہ نور و نعمت ہم زبان بن جاتا ہے اور نیم صبح کی سیلابی انگڑائی  
 کی طرح سارے ماحول کو تازگی اور شگفتگی کی دولت سے مالا مال کر دیتا  
 ہے۔ انسانی رشتوں کی قدر کرنے والے لوگ، قدرت کا ایک عظیم عطیہ سمجھ  
 جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے شب و روز انصاف پسندوں اور احسان سونے  
 والوں کے درمیان گزرتے رہتے ہیں ان میں سے ایک ممتاز عثمانی  
 ماسٹر قانون اور نامور شاعر عبدالرحیم آرزوی ہیں۔ عبدالرحیم آرزو  
 شاعر کے ان روشن ضمیر شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کا نام ہر دور میں  
 عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا رہا ہے گا۔ عبدالرحیم آرزو جیسے علم و ادب  
 پاک نے صاف بے داغ شخصیتوں کے تذکرہ سے ہی فکر و خیال کے بے شمار گوشے  
 روشن ہو جاتے ہیں اور ایک ایسی شفاف شخصیت نظروں کے سامنے آجھ کر  
 آ جاتا ہے جس کا وجود حیات انسانی میں سرچشمہ فیضان بنی ہوئی ہے۔  
 عبدالرحیم آرزو بلاشبہ ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک ہیں جن کی دوستی  
 شرافت اور انسانی و تہذیبی خدمات کو مہلایا نہ جاسکے گا۔ تہذیبی تاریخ

گمراہ ہے کہ کچھ لوگوں کی شناخت انسانی قدروں پر مشتمل معاشرہ کا ایک رشتہ  
حصہ بن کر رہ جاتی ہے۔ عبدالرحیم آرزو کی جن خوبیوں، اچھائیوں اور  
یکنہ نرین قدروں کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ میرے قلمی تاثرات کا ایک  
معمولی عکس جمل ہے جو برسوں سے میرے دل و دماغ میں پروش پارہا  
تھا۔ میرا دل کہتا ہے عبدالرحیم آرزو سے جس کسی شخص کے مراسم ہیں  
وہ لوگ خوش نصیبوں کی پہلی صف میں نظر آئیں گے مجھے بھی یہ اعزاز  
حاصل ہے کہ میں بھی ان کے دوستوں کی پہلی فہرست میں اپنے صحیح مقام پر  
موجود ہوں۔ عبدالرحیم آرزو اگرچہ گلبرگ میں رہتے ہیں لیکن محسوس ہوتا  
ہے کہ وہ حیدرآباد میں ہیں۔ یہاں کی سحر اور خوشگوار فضا سے وابستہ  
ہیں ان میں قدیم عثمانیوں کی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ شائستگی، رکھ رکھاؤ  
اعلیٰ ظرفی اور سادگی ان کی طبیعت کا خاص وصف ہے گلبرگ نے ہر دور  
میں جو ہر پاروں کو جنم دیا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے  
زیر سایہ شمار رہنے والی صاحب عرفان شخصیت فیض و برکات سے  
فیض یاب ہو رہی ہیں شہر گلبرگ، علی دینی، فلائی دتھندی، شوری و  
ادی اقدار سے جڑا ہوا ہے اگرچہ آج بھی مختلف شعبہ حیات سے وابستہ  
لوگ اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں لیکن ان تمام لوگوں میں ایسے  
لوگ بھی ہیں جو اپنی انفرادیت کے ساتھ معاشرہ میں اپنا ایک اعلیٰ مقام  
رکھتے ہیں۔ گلبرگ شریف کے ذی اثر، پُر وقار، قابل تزیین صاحبان  
علم و ادب اور دانشورانِ شعر و ادب میں عبدالرحیم آرزو کا بھی شمار

ہوتا ہے جو بلا تخصیص مذہب و ملت باشعور لوگوں میں توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں ایسے لوگ جو اپنی زندگی کے ایک ایک پل کو انسانی صفات کے لیے وقف کرتے ہیں وہ اپنے دور کا ایک عظیم سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔ عبد الرحیم آرزو سے میرے دوستانہ مراسم کی عمر نہ بھی کم، اہم برس کا ہوئی میں نے اپنی دوستی کے اس عرصہ میں ہمیشہ ترقی و ترقی محسوس کی ہے جب بھی ان سے ملاقات ہونے لگے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے لب و لہجہ کا سارا اثر میری شخصیت میں ضم ہوتا جا رہا ہے شخصی ملاقاتوں میں وہ اپنی بے ریا سکر اہرٹ اور دالہانہ و ابھنگی کا بھرپور احساس لاتے ہوئے گرم جوشی کا اثر پھوٹ جاتے ہیں۔ عبد الرحیم آرزو اپنے دوستوں میں اپنی پاکیزہ طبیعت، بے لاگ رشتہ باہم اور یہ خلوص جذبہ یتیم ننگت کی وجہ سے بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ ہمارے مراسم کی بنیاد ہی بے نوث و کوئی کی اساس پر قائم ہے مجھے یاد نہیں ہے کہ میری ان سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی تو خیال آئے کہ پہلی ملاقات گلبرگہ میں محلہ بٹلی والا وہ میں ہونے والے تھیں مشاعرہ میں ہوئی تھی اور کچھ برسوں تک ہر سال اسی سالانہ مشاعرہ میں ہوتی رہی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ انہوں نے ہمارے پہلے حتمناز صحافی، پاسبان اردو زبان و تہذیب جناب عابد علی خاں صاحب مدیر "سیاست" کے اعزاز میں گلبرگہ میں ایک عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا تھا تہنیتی تقریب کے فوری بعد بڑے پیمانے پر مشاعرہ ہوا تھا سرزاد و جعفری کنولی پرشاد کنول، خیرات ندیم، ابن احمد تاب اور راقم الحروف (صلاح الدین) نے



۔ نہ بھی شہرت کی فتح وہ شاندار محفل شہرِ ادب، شہرِ بیان، گلبرگہ کے لیے ایک یادگار محفل تھی اس کے بعد بھی بعض مشاعروں میں عبدالرحیم آرزو نے مجھے مدعو کیا تھا جب کبھی اگلی نسلوں کے سامنے گلبرگہ کی ادب و نہد سی محفلوں کا ذکر رہے گا تو ان تفصیلات کا تذکرہ بھی رہے گا ناماندہ شخصیتوں کے کارنامے (ان کی خدمات چاہے وہ کسی نئی شعبہ حیات سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں) جعلی ثابت نہ جاسکیں گے۔ ان محفلوں کے بعد ہمارے مراسم میں اضافہ ہوتا گیا اور آج بھی ہم دوستی کی اس منزل پر ہیں جہاں روشنی کے اسوا، کچھ اور دکھائی دیتے ہیں دنیا۔ عبدالرحیم آرزو صاحب جب کسی حیدر آباد آتے ہیں، ملاقات ہو ہی جاتی ہے اور اگر زیادہ مصروف رہیں تو فون پر نوازنا گفتگو ہوتی ہے ہماری دوستی میں جہاں رشتوں کی ٹھیک ہے وہیں سلسلہ پیچوں کا بھی ہے اور خوشیوں کا سفر بھی (اس طرح بھرپور کیفیات کے ساتھ ہمارے مراسم جاری ہیں) عبدالرحیم آرزو کی شہرت ایک مہذب شہر ہی اور ایک ذی وقار شخصیت کی حیثیت سے برقرار ہے ان کا رکھ رکھاؤ طرزِ تکلم اور ان کی شائستگی، ان کی فطرت کے عین مطابق ہے ان کی زندگی فیضِ جاریہ کی طرح نغمہ بار ہے۔ آرزو صاحب نے اپنی زندگی کے پھر بہار دور میں قوم و ملت اور علم و ادب کی بڑی خدمت انجام دی ہیں، ایک با اصول آدمی ہیں سچائی کا دامن تھلے رہتے ہیں بیڑے بیڑے محلوں پر ثابت قدم رہ چکے ہیں وہ چاہتے ہیں زندگی سے وابستہ وہ لمحات جو سرور اور خوشی کی منزل تک لے جاتے ہیں ناجیات ان میں باقی رہیں

تاکہ آکس پکس کا ماحول ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔ ان کی زندگی، فکر و خیال کی تازگی کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ آرزو صاحب نے زبان و ادب تہذیب و ثقافت کو اتنا کچھ دیا ہے کہ ان کے سہارے ہی ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ٹھکتا رہتا ہے۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو پھلتا پھولتا دیکھے۔ معاشرہ میں رنگ برنگی پھول کھلتے رہیں، سماج کا ہر پہلو جگمگا تا رہے اور وہ اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنی شرافت اور اپنی محبت کے ساتھ زندہ رہے۔ ایسے حالات سے بھی گزرتے رہے کہ جہاں صداقت پسندی، حجرات و حوصلہ کی حکمرانی کا فرما رہی ہے آرزو صاحب ہر مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اپنی زندگی کے سفر میں جس قدر فراخ دل رہتے ہیں وہ اسی قدر مسرتوں سے ہم کنار رہتے ہیں جس شخص کے ہاں ایمان کی حرارت اور شرافت کی دولت ہو کبھی بھی محرومیوں کا شکار نہیں ہو سکتا۔ انسانی رشتوں کی قدر و قیمت ایک ایسا ہی شخص زیادہ جانتا ہے جو قدرت کی مہربانیوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا ہے۔ مجد الرحیم آرزو ایک اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو پورے اعتماد کے ساتھ انصاف کرتے ہیں آرزو صاحب کی تقریر سننے کا تجربہ بار بار موقع ملا ہے جب وہ بولنے لگتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک پُر جوش دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے آرزو صاحب بہترین شاعر بھی ہیں جب شاعرانہ میں کلام سناتے ہیں تو اپنی شاعرانہ بھرپور کیفیت کا احساس دلاتے ہیں سخت میں شعر سنانے کا انداز بہت ہی پُر اثر اور باوقار رہتا ہے آرزو صاحب کا

ایک مجموعہ کلام، انہماکِ آرزو، ۱۹۸۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ شعری وادی  
 دنیا سے گہری وابستگی کے باوجود وہ اپنی وکالت کی مسرود نبات کی وجہ  
 سے شعر و ادب کی سرگرمیوں کے لیے زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ آرزو  
 صاحب کے دوستوں کی ایک مخصوص فہرست بھی یہ سنجیدگی اور خوشگوار اہمیت  
 ان کا مزاج ہے۔ آرزو صاحب جیسے شریف النفس انسان سے گفتگو کرنے  
 میں تحفہ آتا ہے۔ اس طرح کے وضع دار، بے دربار اور مہذب لوگ بہت کم  
 رہ گئے ہیں۔ اچھے دوستوں کی رفاقت قدرت کا بہت بڑا کرم ہے۔ وہ  
 لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کے دوستوں کی بڑی تعداد نہ ہوتی ہے لیکن  
 وہ اپنے کچھ خاص دوست بھی رکھتے ہیں کچھ ایسے لوگ جو دیانت داری کے ساتھ  
 دوستی بھاننے ہیں ان میں عبدالرحیم آرزو بھی ہیں۔ آرزو صاحب کی زندگی کا  
 ہر لمحہ روشنی، صداقت، مروت اور انسانی رشتوں کی پاسداری کرنے والا ایک  
 خوشگوار تحفہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر ایک گلاب و  
 سرشارہ رواداران کی طرح ہی رہے ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔

# وہاب عندلیب

(فکر و آگہی کی شمع فروزاں۔ نامور ادیب و مقرر)

شعور و آگہی کی نعمتوں سے فیض یاب شخصیتیں جب عملی زندگی میں قدم رکھتی ہیں تو وہ ہر قدم پر نئے نئے رنگ کے پھول کھلاتی رہتی ہیں ان کی ہر سانس فرط و انبساط کا پیغام لے کر آتی ہے اس طرح کے لوگ معاشرہ کے ہر قسم کے منفعت و منفی اثرات سے باخبر رہتے ہوئے ایک نئے انداز سے باعالم ہوش و حواس اپنی زندگی کا سفر جاری رکھتے ہیں ان کی آرزوں کی یکجہری ہوئی کائنات کچھ اس طرح سمٹ جاتی ہے کہ جہاں کا ہر ذرہ حیات جاوداں کا منظر بنا رہتا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر موسم کی پہلی انگڑائی ساری کائنات کے لیے امن و سکون کا سامان مہیا کرتی رہے سارا ماحول نہ صرف روشنی سے ہم کنار رہے بلکہ گل شگفتہ کی مسکراہٹ کی طرح شادان و فرحان رہے سارا ماحول میں ناز و نازہ چھوڑوں کی خوشبو مہکتی رہے کوئی یہ نہ کہے کہ

مایکھا اور نامرادی اپنے قدم پھیل رہی ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اب خوشیوں کے  
 دن ختم ہوتے جا رہے ہیں لوگ آپس میں اپنے قبضانہ طرز عمل کو برقرار  
 رکھیں۔ اس طرح کی بے شمار ایسی باتیں ہیں جن کے درمیان رہ کر ہر سوال کا  
 جواب دینے والی شخصیتیں ہمارے معاشرہ میں موجود ہیں ممتاز دانشور  
 وہاب عندلیب کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جو ہمیشہ دوسروں  
 کے لبوں پر سکر ایٹ دیکھنا چاہتے ہیں ہر ایک شخص کا چہرہ کئی شگفتہ کی  
 طرح ہمارا ہے۔ لوگ آپس میں بغیر و شکر کی طرح رہیں۔ آپس میں کسی بھی قسم کا  
 بھید بھاؤ نہ رہے ہر ایک کی زندگی شفاف آئینہ کی طرح ہو۔ ہر ایک کا ظاہر  
 باطن یکساں ہو۔ ہر شخص دوسروں کی خوشیوں کے ساتھ ساتھ ان کے غموں میں بھی  
 شریک رہے۔ لوگ ایسی اخلاقیات کو ختم کر دیں۔ مل جل کر رہیں اور ایک ایسی  
 راہ کے مسافر رہیں جہاں پھول ہی پھول ہوں۔ خوشبو ہی خوشبو ہو جہاں ہر قدم پر  
 اُجالوں کی سوغات بٹ رہی ہو۔ وہاب عندلیب اسی طرح کے حالات، اسی طرح  
 کے ماحول کے دلدادہ ہیں۔ اُن کا طرزِ حیات یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مذہبِ معاشرہ کی  
 نمائندہ شخصیت ہیں اُن کے دکھ رکھاؤ سے بہتر چلتا ہے کہ وہ قابلِ اعتبار ہی  
 نہیں خاندانی آدمی ہیں جسے محفل میں بھی رہتے ہیں وہ ایک خوشگوار ماحول  
 کے خاص حصے ہیں اُن محفل اُن سے مل کر اُن سے گفتگو کرتے ہوئے خوشی و مسرت  
 محسوس کرتے ہیں وہاب عندلیب ایک ایسی متحرک و فعال شخصیت کے حامل  
 ہیں جو رواں دواں زندگی کا اعلیٰ نمونہ بنے رہتے ہیں شگفتہ مزاج رکھتے ہیں  
 دوستوں، رشتہ داروں کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہتے ہیں اپنے خاندان

کے تمام افراد میں قد کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اپنے خاندان میں قابل احترام حیثیت رکھتے ہیں وہاب عندلیب کی زندگی کا زیادہ وقت علمی و ادبی مصروفیات میں گزرتا رہتا ہے اُن کے چاہتے والوں، اُن کے بھی خواہوں اور اُن کے احباب کا بہت بڑا حلقہ ہے شعروادب کی محفلوں میں اُن کا وجود ایک ایسے روشن چراغ کی طرح ہے جس کی افادیت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اُن کی روشنی محدود نہیں ہے اُن کا ہر شائستہ عمل خوشی و مسرت کے ماحول کو پیروان چیر ٹھانے سے دلچسپی رکھتا ہے وہاب عندلیب گلبرگہ کے علمی و ادبی حلقوں میں صفِ اول میں اپنا مقام رکھنے والے ایک ایسے دانشور ہیں جو ہر شائستہ محفل کے لیے ناگزیر کچے جلتے ہیں انہوں نے اردو زبان کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ (اور بے رہے ہیں) زائد ازاں ۴۰ سال سے اردو زبان و ادب کی ترقی و دیانت داری اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ بلا زلزلہ خدمت انجام دے رہے ہیں اس وقت گلبرگہ کی چند معروف ترین منتخب شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ وہاب عندلیب کی ساری زندگی علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے وقف ہو چکی ہے درس و تدریس کے برگزیدہ پیشے سے وابستہ رہے۔ بے شمار طلباء و طالبات کے ذہن و فکر کو پرنور بنایا۔ وہاب عندلیب گلبرگہ میں اردو کی سرگرمیوں کو زندہ رکھنے میں پیش پیش رہتے ہیں وہاب عندلیب سے میری دوستی تقریباً ۲۰ برسوں سے ہے وہاب صاحب سے قلم کا رشتہ ہے انسانی قدر و قیمت کا رشتہ ہے مستحق لوگوں کی فلاح بہبود کے لیے معاون بننے رہنے کا رشتہ ہے علوم و محبت کا رشتہ ہے فکر و آگاہی کا رشتہ ہے — گلبرگہ کی ادبی و شعری محفلوں سے میرا تعلق زائد ازاں ۲۰ برس

سے ہے۔ میں گلبرگہ میں بیسیوں ادبی محفلوں اور مشاعروں میں شریک رہا ہوں۔  
گلبرگہ کے میسرے قریب ترین دوستوں میں عبدالرحیم آرزوؒ و ہاب عبدالرب  
اور محب کوثر ہیں۔ گلبرگہ کی محفلوں میں گلبرگہ والوں کے یہ شاید میری شاعری  
کی پہچان کا ذریعہ۔ بٹلی الاوہ کے سالانہ تعینہ مشاعرے میں جس کے بانی و روح  
رواں سحر قادری صاحب تھے وہاں حضرت عطا کلیانویؒ، عبدالرحیم آرزوؒ،  
سیلمان خطیبؒ، سرور مرزاؒ، ڈاکٹر راہیؒ، صاحبہ شاہ آبادیؒ سے لازماً ملاقات ہوتی  
تھی گلبرگہ میں عام مشاعروں کے علاوہ میں نے بعض مخصوص مشاعرے بھی پڑھے ہیں۔  
دی جی و مینس کالج گلبرگہ کے علاوہ بی بی رضا کالج کے مشاعرہ میں بھی شرکت کی ہے محترم  
بشیر اسد بیگم پرنسپل کالج تھیں۔ اُن دنوں ڈاکٹر لائق صلاح بی بی رضا کالج میں اردو  
کی کچھ ارتقیاں۔ انہوں نے رئیس اختر اور میرا اپنے کالج میں خیر مقدم کیا تھا۔ ہم اس  
وقت گلبرگہ کے کسی مشاعرہ کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز  
کی سرزمینِ پاک سے مجھے بھی عقیدت ہے کئی دفعہ میں نے یار گاہ بندہ نواز میں  
حاضری دی ہے سجادہ صاحب سے بھی میری صاحب سلامت ہے روحہ خور دکے  
مشاعروں میں بھی شریک رہا ہوں۔ عبدالرحیم آرزو کے زیرِ اہتمام ۵۲ برس پہلے  
میرزا حسن صاحب کے خیر مقدم کے سلسلے میں عظیم الشان پیلیانے پر منعقدہ مشاعرہ میں بھی  
شریک رہا ہوں جس میں سیلمان خطیب میں بھی شریک رہا ہوں جناب محبوب حسین  
جوگر کی ہدایت پر میں کیوڑے کا بن کی کتابت و طباعت کے مرحلوں میں معاون  
رہا ہوں۔ کتاب کی اشاعت کے دوران بعض فنی امور پر گفتگو کے لیے مجھے  
خطیب صاحب کو حیدر آباد بلکانا پڑا تھا۔ سرزمینِ گلبرگہ سے میرا قدیم رشتہ ہے

میرے بہت سے رشتہ دار گلبرگہ میں مقیم ہیں۔ میرے دو بھانجے مشہور شاعر و ادیب پروفیسر جلیل تنویر اور ذقار ریاض کے علاوہ رشید جاوید اور ڈاکٹر اکرام الدین بھی گلبرگہ میں مقیم ہیں۔ میرے ماموں زاد بھائی ڈاکٹر شفیق کچھ برس گلبرگہ میں رہے جو ان دنوں سعودی عرب میں ہیں۔ گلبرگہ کے یادگار مشاعروں میں ایک یادگار مشاعرہ دی جی ویمپس کا کالج کا بھی ہے یہ مشاعرہ گلبرگہ میں کسی ٹیڑے مشاعرہ کے دوسرے دن صبح ۱۰ بجے رکھا گیا تھا وہاب عندلیب کی دعوت پر میں اور ربیس اختر مدعو تھے یہ بات ۱۹۷۵ء کی ہے اسی زمانے میں میرا دوسرا مجموعہ کلام ”زخموں کے گلاب“ شائع ہوا تھا اس مشاعرہ کے سامعین میں صرف خاتون اساتذہ اور طالبات تھیں اس مشاعرہ میں میری ایک ایسی لڑکی سے بھی رشتہ نشین پر ملاقات ہوئی جس کے ہاتھ میں میرا وہ مجموعہ کلام ”زخموں کے گلاب“ تھا وہ لڑکی رشتہ نشین پر میرے قریب ہی رہتی رہی اور اس نے مجھ سے میری کتاب پر آٹوگراف لیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں حیدر آبادی ہوں لیکن شادی کے بعد گلبرگہ کی ہو کر رہ گئی ہوں۔ میں نے حیدر آباد میں آپ کو کئی مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مسئلہ ہے لیکن ملاقات نہ ہو ہوئی تھی اب مجھے موقع مل گیا ہے۔ وہاب عندلیب نے مجھے اور ربیس کو الہند شریف کے ایک مشاعرہ میں مدعو کیا تھا جبکہ وہ وہاں کسی اسکول یا کالج میں اردو کے استاد تھے۔ وہاب عندلیب باسروت، پیر خلوص، باوقار اور دوستی کے قابل انسان ہیں۔ ہماری رسم دراہ ہمیشہ خوشگوار محفل میں سرسبز و شاداب رہی۔ وہاب عندلیب جب بھی حیدر آباد



آتے ہیں تو ان سے ملاقات ہونی ہے اور اگر وہ مسیاست آفس آتے ہیں تو مجھ سے ملاقات کرتے ہیں نہایت نفیس، شگفتہ مزاج، طرح دار، سیدھی سادھی طبیعت کے مالک ہیں ان کے ادبی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے حیدرآباد کی بعض ادبی جلسوں کو انہوں نے اپنی بہترین خطابت اور مضامین سے مستفید کیا ہے وہ اب غازیپور کو میں نے بھی اپنے سے جدا نہیں سمجھا میں گلبرگہ کے تمام اہل قلم حضرات کو حیدرآباد کی ادبی مفلوں کا ایک حصہ سمجھتا ہوں وہ اب غازیپور ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء میں بہ مقام گنگن مڑی ضلع گلبرگہ میں پیدا ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم کیا۔ بی ایڈ بھی عثمانیہ یونیورسٹی سے ہی کیا۔ ایم اے اردو کرناٹک یونیورسٹی سے کیا۔ پرنسپل گو رنمنٹ پیری یونیورسٹی کالج بہال ضلع گلبرگہ رہ چکے ہیں خواجہ ابو کیشیل سوسائٹی گلبرگہ کے ڈائریکٹر ہیں۔ محکمہ سرگزشت و ثقافت اسلامی گلبرگہ کے علاوہ انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں انجمن ترقی اردو گلبرگہ کے بانی سکریٹری ہیں صدر انجمن ترقی اردو گلبرگہ بھی رہ چکے ہیں۔ گلبرگہ کی کئی علمی و ادبی اجتماعات سے ان کی وابستگی ہے۔ اس کے علاوہ مدیر سالانہ انسان گلبرگہ، مخد اردو ہندی لٹریچر کا سرکل کالج آف ایجوکیشن حیدرآباد بانی مولانا آزاد لائبریری جھکھنڈی ضلع گلبرگہ۔ کونو نیر قری کو جنگا سنٹر گلبرگہ کے ریاستی و سرکاری محکمہ صحت سے متعلق اردو نصابی درسی شمی کے رکن بھی ہیں۔ کرناٹک اردو اکڈمی کے رکن تھے۔ ان کے مضامین خاکے کا مجموعہ قیمت و تاملت ۶۱۹۸۱ میں شائع ہوا۔ تحقیق و تجزیہ (مضامین کا

مجموعہ ۶۱۹۹۹ اور انکار و نظریات ۶۱۹۹۲ میں مرتب کیا۔ کرناٹک کی مختلف ادبی انجمنوں نے انہیں اعزازات سے نوازا۔ کرناٹک اردو اکیڈمی نے زبان و ادب کی مجموعی خدمات کے اعتراف میں اعزاز دیا۔ گلبرگ انسٹیٹیوٹ کالج حیدرآباد کے بانی معتقد ہیں۔ بانی محترم بزم فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی ہے۔ ان کی زیرِ ترتیب کتابوں کے نام یہ ہیں۔  
 گفتارِ کردار (خاکے) خواجہ بندہ نواز جیات اور افکار۔ مسلم رہنما اور آزاد خیال ہند (ادبِ اطفال)۔ ہم اردو دستوں کے لیے یہ بات باعثِ افتخار ہے کہ وہ بابِ مصدب کرناٹک اردو اکیڈمی کے مدِ نشین ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدا اس طرح کے میرے دوستوں کو اعلیٰ و ارفع مقامات عطا کرے۔

# حب کوثر

(بہترین دوست، بامروت انسان، نامور شاعر، ناظم مشاعرہ)

مشاعروں کی دنیا میں دوہری صلاحیت رکھنے والی شخصیات ہمیں بہت کم ملیں گی۔ لیکن بہت کم شخصیتوں میں جو درجہ ان کا کائنات شعروادب میں چھلکے ہوئے ہیں ان میں ایک اہم نام حب کوثر کا بھی ہے۔ حب کوثر جہاں بہترین شاعر ہیں وہاں اعلیٰ درجہ کے ناظم مشاعرہ بھی ہیں۔ ہم نے بعض ایسے ناظم مشاعرہ کو بھی دیکھا ہے جو اپنی غیر سنجیدہ کامروری غیر معتبر اور غیر موزوں الفاظ کے استعمال سے مشاعروں کی اعلیٰ روایات کو جو تہذیبی اقدار کا سرچشمہ بھی جاتی ہیں نقصان پہنچایا ہے جھوٹے، غیر معیاری تہذیب سے عاری الحائف کے ذریعہ مشاعروں کی فضا کو بو جھل بنا ڈالا ہے۔ بعض دفعہ تو ایسے رکیک اور لچر لطیف بھی ہمیں سننے میں آتے ہیں جو ہمارے مشاعروں کی اعلیٰ روایات و تہذیبی اقدار کے قطعی متغائر ہوتے ہیں۔ حب کوثر کفریہ کار اور کامیاب ناظم مشاعرہ کی حیثیت سے اس لیے بھی قدر کی جاتی ہے کہ وہ بہ ذات خود تہذیبی

افزار کی مکمل پاسداری کرتے ہیں۔ نہایت شائستگی، شگفتگی اور پیراثر انداز میں مشاعروں کی کارروائی چلاتے ہیں۔ خداتے اپنی خاص مہربانی سے اُن کی آواز کو اتنا پیراثر بنادیا ہے کہ وہ ساری محفل پر جھپکاتے ہیں اُن کی آواز سماعت کے لیے کبھی بار نہیں بنی۔ دورانِ مشاعرہ کبھی کبھی موزوں اور برجستہ اشعار سے بھی مشاعرہ کی فضاء کو پیراثر بناتے ہیں ان کی نظامت کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہایت دیاننداری کے ساتھ شعراء کا تعارف کرواتے ہیں۔ کبھی بھی کسی شاعر کے تعارف میں غلو سے کام نہیں لیتے۔ شاعری شاعرانہ حیثیت و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوبصورت، موزوں، پیراثر لفظوں اور پُر وقار لہجے میں تعارف کرواتے ہیں۔ ہزاروں سامعین کی موجودگی میں بھی ان کی زبان انہیں لڑکھڑاتی۔ بڑے سے بڑے مجمع کا بھی ان کی شخصیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ نہایت سکون کے ساتھ با اعتماد لہجہ و لہجے کے ساتھ مشاعرہ کی کارروائی چلاتے ہیں۔ محب کو مترتعلیم یافتہ، قہذب و پُر وقار شخصیت کے حامل ہیں ملک بھر کے دانشوروں سے ان کی رکم و راہ ہے۔ سیکسی و غیر سیکسی لوگوں سے بھی ان کے روابط ہیں۔ معاشرہ کی ایک ایسی سوزن شخصیت ہیں جن سے مل کر، جن سے گفتگو کرنے ہوئے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے، آداب گفتگو، اندازِ مخاطب اور اپنے شائستہ طور و طریق کے سبب اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں بے حد مقبول ہیں۔ محب کو شہ نہایت ہمدرد اور نفیس ترین انسان ہیں۔

پہلی ہی ملاقات میں کوئی بھی اجنبی اُن کا ہوکسہ نہ جانتا ہے وہ اپنے حسنِ شوکت اور شگفتہ و رشائستہ رہن سہن کی بدولت مخاطب کو متاثر کرنے میں آگے کوئی شخص ان کے دائرہ روابط میں ایک دفعہ آجاتا ہے تو وہ ہر ممکنہ طور پر اپنی دوستی اور مراسم کو نبھانا ہے محب کو شر کی ساری زندگی سہینہ کی طرح پاک و شفاف ہے ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے کھر سے اور قہر سے متھرنے انسان ہیں۔ ایمانداری، دیانتداری ان کی طبیعت کے اہم پہلو ہیں انہوں نے بے شمار ضرورت مندوں اور اہل غرض لوگوں کی مدد کی ہے اور یہ سدا فیضانِ آج بھی ہمارے تمام شاعر برادری سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں شاید ہی کوئی شاعر ان کا ہم خیال نہ بن سکا ہو۔ محب کو شر کے دوستوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے لیکن میں آج تک خطبعت سے یہ طے نہ کر سکا کہ کونسا دوست اُن کے کتنے قریب ہے ان کے احباب اُن سے کچھ اس طرح ملتے ہیں کہ یہ امتیاز مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کی کیا قدر و منزلت ہے محب کو شر کے چاہنے والوں کی ایک بھری تعداد حیدر آباد میں بھی ہے حیدر آباد کے تمام ادبی حلقے ان کی شاعرانہ عظمتوں کے معترف ہیں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کے دل سے قدرداں ہیں۔ محب کو شر نے حیدر آباد میں بیسیوں شاعروں کو پڑھتے ہیں جن میں کل ہند شاعر بھی شامل ہیں۔ انہوں نے شکرزئی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں بھی کلام سنایا ہے دارالسلام میں بھنے والے کوئی ہندوختیہ مشاعروں میں بھی شہرکت کرتے رہتے ہیں۔ حیدر آباد ریڈیو، حیدر آباد روردرشن کے علاوہ ای ٹی وی

کے مشاعروں میں ہی اپنا کلام سنانا چاہتے ہیں۔ محب کو قرضِ مال دینے کے بھی ایک کامیاب  
 شاعر ہیں ادبی جلسوں میں بھی اپنے معلومات آفرین خیالات سے مستفید  
 کرتے رہتے ہیں بہت سے شاعروں کی طرح سیاست اخبار سے ہی ان  
 کا دیرینہ رشتہ ہے سیاست میں ان کا کلام شلک ہوتا رہا ہے شہر کے  
 دیگر اخباروں منصف، رہنمائے دکن اور عوام میں بھی ان کے کلام سے  
 ہم محفوظ ملوا کرتے ہیں۔ جب کوثر رائد از ہم برسوں سے  
 شعر کہہ رہے ہیں ابتداء ہی سے ان کے شعرا نے تیور نے شعری محفلوں کو  
 اپنی گرفت میں لے لیا ہے کلام تخت میں سنا دیتے ہیں اور چھا کر سنا دیتے ہیں  
 ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کلام کلاسیکی شعری اقدار کا ترجمان  
 جوتے ہوئے بھی عصری مسائل سے قریب ہے۔ بلکہ ان کی اکثر غزلیں  
 حالاتِ حاضرہ اور عصری مسائل کی بھرپور نشاندہی کرتی ہیں۔ معاشرہ کا ہر  
 پہلو خاص طور پر جو عوام کی توجہ چاہتا ہے اُس پر ہر جہت سے شعر کہتے ہیں۔ محب کوثر  
 کو مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے لیکن صنفِ غزل سے  
 ان کا گہرا رشتہ ہے ان کے ہاں بعض معرکہ الہا را غزلیں بھی ملتی ہیں جو  
 ملک کے حالات کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ بے خوف اندر شاعر کی حیثیت  
 سے اپنے خیالات کو بغیر کسی ذہنی تحفظات کے منظرِ عام پر لائے ہیں۔ محب کوثر  
 یکم اپریل ۱۹۳۹ء کو اپنے ننھیالی قصبہ کوٹنگی تعلقہ کوٹنگی ضلع محبوب نگر  
 کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے ان کا آبائی وطن کوٹنگی ہے مگر  
 محب کوثر کو وطنِ ثانی بنا لیا ہے ان کے والد حضرت خواجہ نظام الدین صاحب

پولیس سے وابستہ تھے جنھوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران آواز  
 پر حجام کی ادارت نوش کی۔ محب کو ٹری ابتدائی تعلیم غازی پورہ کالج  
 میں ہوئی۔ جماعت ہفتم تک مدرسہ وسطانیہ آصف علی گڑھ میں  
 زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد گلبرگہ چھوڑنا پڑا۔ مدرسہ توقانیہ  
 کوڑنگل میں ان کے اساتذہ مولوی محمد عبدالرحیم دراز، مولوی محمد خواجہ نسیم  
 مولوی سعید الدین سعیدی کی سرپرستی نے ان کے ذوق شعر کو جلا بخشتا اور دکن  
 کے کہنے مشق استاد شاعر دامودرذکی ٹھا کر کے حلقہ تلامذہ میں شامل  
 ہو گئے۔ پینڈت جی کے انتقال کے بعد حضرت ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے تلامذہ  
 میں شامل ہو گئے۔ کمپاؤنڈنگ میں ڈیلو ما کر کے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں کرناٹک  
 کے محکمہ صحت و طبابت سے وابستہ رہ کر بحیثیت سینیئر فارماسسٹ  
 وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ ان کا کلام ۱۹۶۰ء سے ملک کے  
 معیاری رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے ملک کے مختلف مقامات  
 پر منعقد ہونے والے کل ہند شعریوں میں شرکت کر چکے اور کئی کل ہند شعاعوں  
 کی نظامت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں کائنات دانش دانی گلبرگہ کے شعبہ اردو سے  
 بھی وابستہ رہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ایابغ تازہ ۱۹۸۹ء میں شائع  
 ہوا۔ جن کو مغربی بنگال اردو اکادمی نے انعام سے نوازا ہے۔ گلبرگہ کی  
 کرناٹک پبلشرز اکادمی نے ان کی شعری و ادبی خدمات کے اعتراف میں اکتوبر  
 ۱۹۸۹ء میں دو روزہ جشن محب کوثر منعقد کر کے گیارہ ہزار روپے کے  
 لیٹرز سے نوازا۔ ان کا دوسرا مجموعہ کلام ”سودوزیاں“ اگست ۱۹۹۷ء  
 میں شائع ہوا۔

# محسن کمال

(معروف شاعر، ممتاز صحافی و مقرر، سیاسی قائد)

بہمنی، برید شاہی، آصف جاہی یا دشاہوں کی سرزمین بید رہ  
 دور میں ہر اعتبار سے زرخیز رہی ہے اس سرزمین کے دانشوروں، باکمال  
 شخصیتوں، ہنرمندوں، شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور مختلف شعبہ  
 زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ ہر زمانے میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب  
 اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز رہے ہیں چاہے وہ مستند شیعہ کا سلسلہ ہو کہ  
 قریش نشینی کا معاملہ۔ بعض لوگ اپنی منفرد پہچان کے ساتھ اپنے ناقابل فراموش  
 کارناموں کی وجہ سے آبروئے سرزمین بید رہے ہیں۔ باصلاحیت لوگوں  
 کا تسلسل باقی تو ہے لیکن حالات کے لحاظ سے وہ کہیں کم اور کہیں زیادہ شہرت  
 کے حامل رہے ہیں۔ علمی و ادبی دنیا میں جو لوگ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں ان میں  
 ایک اہم نام محمود گادوان کا بھلے ہے۔ بیدر کا سیاسی، ادبی و تہذیبی تاریخ بے شمار  
 واقعات سے معمور ہے۔ عصر حاضر میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے تاریخی ورثے



کے پاس بان بنے ہوئے ہیں۔ ایک نسل کے طور پر اپنی ذمہ داریوں اور  
 صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ میں نے اپنی ہم سالہ شاعرانہ  
 زندگی میں سرزمین بیدر کے نامور استاد شاعر رشید احمد رشید کے بعد ریشل ختر  
 اور حسن کمال کی شاعرانہ اعلیٰ صلاحیتوں سے زیادہ واقف ہوں جنہوں نے  
 اپنے فکر و خیال کی روشنی سے زائد از ۴۴ دہوں سے بیدر کے حوالے سے ادبی دنیا  
 میں اپنی ایک مخصوص پہچان بنائی ہے۔ ان دونوں شاعروں کے بعد تین خاتون  
 اہل قلم سے بھی میں واقف ہوں بلکہ ان کی شاعرانہ وادبیانہ صلاحیتوں کا  
 محترف کبھی۔ ایک تو ہیں ڈاکٹر شفیع قادری جنہوں نے اردو تحریک آزادی  
 سے قبل کے موضوع پر پی ایچ ڈی کیے ڈاکٹر معنی تبسم کے زیر نگرانی تحقیقی  
 مقالہ لکھا جس پر اہتیں عثمانیہ یونیورسٹی نے ڈاکٹر سید کی ڈگری سے نوازا۔  
 دوسری شاعرہ ریحانہ بیگم ہیں جو الامین انتظامیہ کے ایک اسکول میں صدر معلم  
 ہیں جن کا کلام پہلی کمر "۱۔ ۲۰۰۰ میں اور دوسرا مجموعہ کلام آنگن نہ آنگن پھول ۲۰۰۲ء  
 شائع ہوا۔ ایک طالبہ فنساء ارم ہیں جو ایک انجمن ہوئی افانہ نگار کی حیثیت  
 سے ادبی دنیا میں جانی پہچانی جاتی ہیں جن کے افسانے زیادہ تر "خوشبو کا سفر"  
 میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ریشل ختر تو بین الاقوامی شہرت کے حامل شاعر ہیں  
 جن کے تاحال تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ آئینہ دل  
 اشکوں کے پھول اور روج دلی رختوں کا مجموعہ ۱۹۹۸ء میں شائع  
 ہو چکے ہیں۔ رشید احمد رشید جامعہ عثمانیہ کے قابل فخر شاعر رہے ہیں۔ بیدر  
 میں ان کے کئی کئی شاعر گرد رہے ہیں (اب بھی ہیں) ریشل ختر اور حسن کمال بھی ان

ہی کے ساتھ گزری ہیں۔ رشید احمد رشید جیات اور شاعری پر ڈاکٹر سینی حنفی ہاشمی  
 نے بکر کو نیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے بیدر میں شعر و ادب کی دنیا سے تعلق رکھنے  
 والے اور سچی لوگ موجود ہیں۔ میں اپنی واقفیت کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ حامد  
 شمیم ایک اچھے نثر نگار اور مشہور قانون داں ہی نہیں بہترین مقرر بھی ہیں۔  
 جناب نسیق مشہور ایڈوکیٹ ہیں کانگریس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں ایم ایل اے  
 رہ چکے ہیں قیصر حسن سیاست آج کے نامہ نگار ہیں اور بہترین کرسپانڈنٹ  
 کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں کانگریس پارٹی کے قائد ہیں ایک بزرگ شخصیت  
 ظہور الدین ایڈوکیٹ کی بھی ہے جو نہ صرف ایک نامور قانون داں ہیں بلکہ شعر و ادب  
 سے دلچسپی رکھنے والی ممتاز شخصیت ہیں۔ حکیم  
 حکیم حاذق ہونے کے علاوہ شعر و ادب خاص طور پر شاعری کی سرپرستی کرنے والوں  
 میں اس سے زیادہ پیش پیش رہے۔ مقصود علی خان مرحوم ایم پی ہونے کے  
 علاوہ سالار بیچلور کے مدبر رہ چکے ہیں ایک مشہور و معروف سائنسٹ ڈاکٹر  
 کلیم انڈیا امریکہ میں مقیم تھے عالمی شہرت کی حامل شخصیت تھے اس طرح کے قابل  
 لوگ اب بھی بیدر میں موجود ہوں گے جو میری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان شخصیتوں  
 کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سرزمین بیدر ہر دور میں علوم و فنون اور دیگر  
 علمی و ادبی، سیاسی و تہذیبی سرگرمیوں کے لیے مشہور رہا ہے۔ حسن کمال کو  
 میں زائد از ۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ حیدر آباد میں کسی زمانے میں وہ دکن نیوز سے  
 بھی وابستہ تھے حسن کمال نے مجھے بیدر کے کئی مشاعروں میں مدعو کیا تھا مشاعروں کی  
 وساطت سے ہی ہم دونوں کے مراسم برپا ہوئے۔ حسن کمال شاعر سے ہی ایک لکھنوی

رواں دواں شخصیت کے حامل ہیں۔ زندگی کے طویل سفر میں بے شمار تجربوں اور سخت  
 نئے حالات سے گزرتے رہے لیکن انہوں نے ارتقائی منازل طے کرنے میں کبھی  
 سست لگائی سے کام نہیں لیا۔ خونِ رواں کی طرح وہ معاشرہ میں متحرک ہیں  
 شاعر بھی ہیں، صحافی بھی، قائد بھی، صلاح کار بھی اور متعلہ بیان مقرر بھی ہیں۔ انہیں  
 اپنے وطن سے، اپنی سرزمین سے بے حد محبت ہے اپنی شناخت، اپنی پہچان  
 کے لئے انہوں نے شب و روز محنت کیا۔ جدوجہد کرتے رہے۔ ان میدان میں  
 قدم رکھنا تو ہر ایک سیاسی پارٹی کے قائدین سے مراحم استوار کیئے۔ صحافی کی حیثیت  
 سے سرگرم عمل رہے تو صحافتی دنیا کے سربراہوں سے اپنی رسم در راہ بڑھائی۔ شاید ہی  
 نفعی کا کوئی ایسا شعبہ ہو گا جس سے ان کا تعلق نہ رہا ہو۔ محسن کمال سے میری طلاق  
 صرف مشاعروں کے سلسلے میں ہی ہوتی رہی لیکن میں خاص طور پر ان کی شعری، ادبی و  
 سیاسی مصروفیات سے واقف ہوں۔ محسن کمال بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں  
 لیکن انہوں نے بہت ہی عمدہ غزلیں بھی کہی ہیں۔ مناجات، حمد، نعتوں اور  
 منقبتوں میں پورے عقیدت و احترام کے ساتھ ان کا قلم اٹھاتا ہے۔ محسن کمال  
 کے حیدر آباد میں چاہنے والوں کی کثیر تعداد ہے جن میں شاعر بھی ہیں ادیب  
 بھی ہیں، صحافی بھی ہیں اور سیاسی قائدین و کارکن بھی ہیں۔ محسن کمال کی ساری  
 زندگی جہد مسلسل کی آگینے دار ہے۔ محسن کمال کا ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء بمبئی میں قیام رہا  
 ۱۹۶۶ء میں سیدہ اہلس ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں گادان اخبار نکالا۔ انگریزی میں  
 BIDAR SPEAKER ویکی اخبار اور کنڑی میں روزنامہ گادان جاری کیا۔ ۱۹۷۶ء  
 میں احمد اکنائی پر منظر نامہ کتاب نذر انکھی۔ ۱۹۷۷ء میں اردو ٹی وی سٹریٹنگ کلن

قائم کیا۔ عوامی ادارہ اور گاوٹوان اسٹیڈی سرکل کا قیام بھی محل میں لایا۔ ۱۹۸۲ء میں ضمنی انتخابات میں رکن اسمبلی بنے۔ ۱۹۹۲ء میں ایم ایل اے بنائے گئے۔ راجپوت گاجی پیر ہمارا میسا منظوم کتاب لکھی۔ ۱۹۹۱ء میں حکومت کرناٹک نے راج اتسو ایئرڈ دیا۔ ۱۹۶۸ء میں اپنے استاد رشید احمد رشید کے کلام کو مرنے کر کے خم ابرو کے نام سے ۱۹۸۳ء میں مشائخ کبیرہ شہر غزل بھی اشاعت پذیر ہوئی۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب بن جگر صاحب سے بھی ان کے مراکم رہے ان کی سیکسی مسرودیات کا سیاست کے ذریعہ علم ہوتا رہتا ہے دیگر اخباروں منصف، رہنمائے دکن اور علوم میں بھی ان کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں حسن کمال یادداشت، خود دار، ہمارا دبا سردت انسان ہیں سرزمین بیدر کے ادبی و سیاسی وقار کو بڑھانے میں کلیدی رول ادا کرتے رہے ہیں۔ حسن کمال ایم ایل اے بھی سب سے او۔ ایم ایل اے بھی۔ لیکن ان کے مزاج میں کوئی خاص سیکسی تبدیلی نہیں آئی۔ سیدھی سادگی زندگی گذرتے رہے۔

کبیسر جیسے جھلک مرض میں مبتلا ہیں زندگی اور موت کے کشمکش سے گزر رہے ہیں۔ کچھ جینے پہلے ان کے فحری مجموعہ "حرف حرف" کی اشاعت بدرا ایک بہت ہی عمدہ ادبی تقریب بیدریں ہوئی۔ کتاب کی رسم اجراء مدیر اخبار سیاست جناب زاہد علی خان نے انجام دی۔ اسی مثبت شعرا ہوا جناب رئیس اختر نے صدارت کی رافقہ الحروف نے حسن روشن کر کے مشاعرہ کا آغاز کیا ان کی جلد از جلد صمت بیانی کے لیے ہم دعاگو ہیں۔

حسن کمال سے میری بہت کم ملاقات رہی ہے لیکن ان سے زمینی رشتہ ہونے کی وجہ سے میں ان کی خاص طور پر سیکسی و ادبی سرگرمیوں سے باخبر رہا۔ حسن کمال مشاعروں میں اکثر دھم لگیں سناتے ہیں جب الوطنی کے موضوع پر انکا کلام پڑا تو اردار اور اقلیت کا آئینہ دار رہتا ہے

# ڈاکٹر صغیر اعالم

(نامور شاعرہ - صاحبہ سلویا دیہ - شائستہ خاتون)

میں نے اپنی ہم سالہ شاعرانہ زندگی میں جتنی شاعری لکھی ہے  
 اُن سے ملاقات نہ کی ہے۔ کلامِ شناعی، اُن سے گفتگو کی ہے، اُن کے ہمراہ سفر  
 کیا ہے، شہر کے، اضلاع کے اور ملک کے بعض مقامات پر منعقدہ مشاعروں میں  
 شرکت کی ہے لیکن ادھر کچھ برسوں میں بہت کم شاعرات کو میں نے تہذیبی  
 اقدار کی پاسداری کرنے والی پایا ہے (یہ بات میں صراحتاً بعض شاعرات سے متعلق  
 کہہ رہا ہوں جو کُل ہند مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں اور صرف مشاعروں کی شاعر  
 ہیں) میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ مشاعروں کی شاعرات اور رسائل اور کتابوں کی  
 شاعرات میں واضح فرق ہے۔ میں نے ہمیشہ ایسی ہی شاعرات کو عزت و توقیر  
 سے دیکھا ہے جو آبرو سے قلم و قریطاس رہا کرتی ہیں۔ عوامی مشاعروں کے مقابلے  
 میں منتخب شعری محفلوں میں شرکت کرنا پسند کرتی ہیں، جو باجیا، مہتاب و شائستہ  
 ہیں جن کے دکھ رکھاؤ، آدابِ گفتگو سے یہ دریغ ہو تو ہے کہ درحقیقت واپس مشرقی

گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ پڑھی لکھی، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ معاشرہ میں اپنی امتیازی خصوصیات کے ساتھ جانی پہچانی جاتی ہیں۔ کاغذ و قلم کی رفاقت کو عزیز رکھتی ہیں۔ اچھی اچھی کتابیں ان کے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔ ادبی رسائل میں اپنی تخلیقات چھپواتی ہیں۔ اپنے نثری و شعری کتابوں کی اشاعت سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ آدابِ محفل کا خیال رکھتی ہیں۔ اپنی نسواںیت سے اپنے باوقار و ورثہ کا علامت بنی رہتی ہیں نظریں اٹھا کر کم اور آنکھیں جھکا کر زیادہ باتیں کرتی ہیں جن کا انداز گفتگو ادیبانہ و شاعرانہ ہوتا ہے جو علمی و ادبی موضوعات پر اظہارِ خیال کو اپنی گفتگو کا حاصل سمجھتی ہیں شاعروں کے جھگھوٹوں سے دور رہا کرتی ہیں۔ البتہ اپنی ہم خیال شاعرات میں نے نگلفانہ اندازِ گفتگو کو بہتر سمجھتی ہیں۔ اس طرح کی بہت سی شائستہ و شگفتہ روایات اور اعلیٰ و ارفع طرزِ گفتگو کو پسند کرنے والی خاتونِ شعراء میں ڈاکٹرِ صخرِ عالم بھی ہیں جو ایک مہذب و باوقار شخصیت کا حامل ہیں جن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ علمی و ادبی مصروفیات میں گزرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹرِ صخرِ عالم کو میں تقریباً ۳۰، ۳۱ برسوں سے جانتا ہوں جن کے ساتھ میں نے بیشتنر مشاعرے پڑھے ہیں جدو آہاد میں بھی کلر گر میں بھی اور ملک کے بعض دوسرے مقامات پر بھی۔ ڈاکٹرِ صاحبہ کے شوہر محترم عالم صاحبِ مشاعروں میں ان کے ساتھ رہتے ہیں جو نہایت جلمِ الطبع و فصیح دار اور شریف النفس انسان ہیں مشرقی تہذیب سے آراستہ اس شخصیت سے گفتگو کرنے پر بڑے فرحت محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹرِ صخرِ عالم تخت میں کلام سناتی ہیں اور مشاعرہ پڑھا جاتی ہیں۔ ان کے شعر پڑھنے کا انداز

متاثر کن ہو تلبے وہ نسوانی تہذیب کی افذار کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریک  
مشاعرہ رہتی ہیں اور اپنے بہترین کلام سے داد و تحسین حاصل کرتی ہیں۔ میں  
نے دورانِ مشاعرہ یہ بھی محسوس کیا ہے کہ تمام شعراء کے کلام الہیقِ قدر کی نگاہوں  
سے دیکھتے ہیں۔ ان کے شاعرانہ انداز کو پسند کرتے ہیں جب وہ محفل میں آتی  
ہیں تو اپنے اندازِ نشست و برخاست اور اپنے ثقہ لباس سے محفل کو متوجہ  
کرتی ہیں۔ ڈاکٹر صفحہ عالم نے خاص طور پر گلبرگہ کے سے قابلِ فخر ولایتی تحسین  
خاتون شاعرہ ہیں۔ گذشتہ نینزدہوں سے سرزمینِ گلبرگہ کی نمائندگی کرنے والی شاعرہ  
مشاعرہ میں جمیع فن کی شاعری کے ابتدائی زمانے سے ہی پسندیدگی کا اعتراف حاصل ہو رہا  
ہے۔ علی و ادبی حلقوں میں ان کی شاعری اور شخصیت کی اہمیت کو محسوس کیا جا رہا ہے  
ڈاکٹر صفحہ عالم اگرچہ کرناٹک کے علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن حیدرآباد دکن کی  
تہذیبی خوشبو ان کے جسم و جاں کو بہکار رہا ہے اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ گلبرگہ کے  
شہریوں پر علائقہ کرناٹک کی چھاپ موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے حیدرآباد میں بہت  
سے رشتہ دار موجود ہیں۔ جب وہ حیدرآباد آتی ہیں تو کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے  
فون پر بھی گفتگو رہتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کو میں نے منامہ دکن کے علاوہ یوسف اہم  
مشاعروں میں بھی مدعو کیا ہے "سیاست" اخبار میں ڈاکٹر صاحبہ کا کلام برسوں سے  
شائع ہو رہا ہے "خوشبو کا سفر" کے علاوہ انڈیا ک کے ادبی رسائل میں کلام شائع  
ہوتا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ گلبرگہ اور اس کے قرب و جوار میں خاص خاص مشاعروں  
میں شرکت کرتی ہیں لیکن بہت کم۔ ڈاکٹر صاحبہ کے فکر کا ماحول خالص مشرقی ہے  
وہ قدیم تہذیبی روایات کی نہ صرف قدردانی ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہیں ڈاکٹر صاحبہ

کا پہلا مجموعہ کلام حبیبہ صدف ۱۹۹۲ء میں حیدرآباد میں شائع ہوا۔ گلبرگہ میں حبیبہ صدف کی رسم اجراء تقریب شاندار پیمانے پر ہوئی تھی بین الریاستی مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا حیدرآباد سے راشد آفریں رئیس اختر اور میں نے شرکت کی تھی حیدرآباد کی شاعرات میں مظفر النساء نازہ اور عزیز النساء صبا ان کی اچھی خاصی ملاقات ہے پروقیر حبیب ضیاء اور ڈاکٹر لائق صلاح سے بھی ان کے مراسم میں فصل خوانین سے وابستہ شاعرات اور خاتون ادیبوں سے بھی ان کی صاحب سلامت ہے۔ گلبرگہ میں ہونے والے مشاعروں میں میں زائد از ۴۰ برسوں سے شرکت کر رہا ہوں۔ میں نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں حضرت عطا کلیانوی، سلیمان خلیل عبد الرحیم آرزو، سرور مرزا، ڈاکٹر درامی قہرشی، عباسی شاہ آبادی، محب کوثر اور بنڈت داسودر ڈکی کے ساتھ گلبرگہ کے کئی مشاعرے پر حصہ لیا ہے۔ خاص طور پر بیٹلی الاوہ میں ہونے والے سالانہ نعتیہ مشاعروں میں لازماً شرکت کیا کرتا تھا یہاں ان مشاعرے کرام سے لازماً ملاقات رہتی تھی۔ روہنہ خورد کے مشاعروں میں بھی یہ شعراء کرام شرکت کیا کرتے تھے رفتہ رفتہ گلبرگہ میں بھی قدیم طرز کے مشاعروں کی روایت ختم ہوتی گئی۔ اب بھی جھوٹے بڑے مشاعرے ہوتے رہتے ہیں لیکن ان دنوں سادہ سادہ کے مشاعروں کی غیبت ہی بدل گئی ہے اس وقت گلبرگہ میں محب کوثر خالد اگل، ڈاکٹر صغرا عالم، وقار ریاض اور دیگر شعراء شاعری و ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سرزمینِ بندہ نواز گلبرگہ ڈاکٹر صغرا عالم کا وطن ہے ان کے والدین مذہبی خیالات کے ہندو و شائستہ انسان تھے صغرا عالم کو بچپن سے ہی اردو شعر و ادب سے دلچسپی رہی۔ ڈاکٹر صاحبہ کے ناخالص تین شعری مجموعے



حیطہ صدف (۱۹۹۰ء)۔ بینا الطروف (۱۹۹۵ء) عقیقہ بجان ۱۹۹۷ء  
 میں شائع ہوئے ہیں کتب میزان (نمبر ۷) زیر اشاعت ہے دو کتابیں  
 حراب دعا (حمد اور نعتوں کا مجموعہ) اور عنوان غرض پر ایک کتاب زیر تزیین  
 ہے ایک اور کتاب حنا غزل (شعری مجموعہ) زیر اشاعت ہے جس میں ۸۶  
 اشعار ۹۲ غزلیات شامل ہیں پروفیسر عنوان حبشی حیات اور کارنامے  
 کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ پیش کر کے آریکس ہارویونیورسٹی منٹریچور سے ۱۹۹۵ء  
 میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ شعری و ادبی خدمات پر مختلف ادبی اداروں،  
 تعلیمی شعبوں سے زائد از دس انعامات مل چکے ہیں۔ دہر دانش حیدر آباد سے بھی  
 ڈاکٹر صاحبہ کا کلام ٹیلی کاسٹ ہوا ہے بعض کئی ہندسہ سترہ جن میں ڈاکٹر صاحبہ نے  
 شرکت کی تھی وہ نیشنل پروگرام ہیں پیش کیے گئے شعبہ درس فنانس سے وابستہ  
 ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں انہیں جج بیت انڈیا سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت  
 گلبرگر کی ہی نہیں ریاست کرناٹک کی سب سے اہم شہر کی حیثیت سے اپنی  
 مکمل شہرانہ پہچان کے ساتھ شعری و ادبی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

# پروفیسر فہیم احمد صدیقی

جید آباد دکن کے مقبول شاعر کا بل استاد اردو

حکومت ہند کی معاندانہ پالیسی سے لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم تو عمل میں آئی لیکن اس تقسیم کے سبب جید آباد دکن، تانگ اور جید آباد ہمارا گھڑا کے اضلاع، تعلقات و امراضات کے بہت سے خاندان بکھر گئے۔ جید آباد کی تہذیبی شناخت اور سیاسی وحدت کو ختم کرنے کی غرض سے ریاستوں کی تنظیم جدید عمل میں آئی۔ ان کی تہذیب، ان کے کلچر میں بھی فرق آگیا نئی نسل تو نئے ماحول میں ڈھل گئی لیکن اس کے باوجود جن کی تہذیبی جڑیں مضبوط ہیں انہوں نے اس لسانی تہذیبی کو قبول نہ کیا مگر اپنے رسم و رواج، اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنی وضع داری و طرح داری کو بچائے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ریاستوں کی لسانی تقسیم کے بعد بھی جید آباد دکن کے اضلاع اور تانگ آباد، پیر پٹی، تانڈی، کلیر گ، بیدر وغیرہ میں رہنے والے لوگوں کو جید آباد دکن کی تہذیبی روایات کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کے بزرگوں کا جو تعلق ریاست جید آباد دکن کی تہذیب و کلچر سے

نہا اس کو برقرار رکھا۔ آج بھی ان اضلاع میں بہت سے گھرانے ایسے ہیں جو  
 حیدرآباد دکن کی خوشبو سے ہلکے رہتے ہیں۔ مختلف شعبے حیات سے  
 تعلق رکھنے والے لوگ حالات کے تقاضوں اور وقت کے چیلنج کو قبول کرتے  
 ہوئے نئی تہذیب کا ایک حصہ بن گئے ہیں لیکن پرانی تہذیبی اقدار کو اب  
 بھی سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ ہمارا مقصد ہے کہ ان اضلاع کے اس دور  
 میں رہنے والے لوگوں کا رہن سہن حیدرآباد دکن کی روایات سے جڑا ہوا  
 ہے۔ عوامی زندگی میں حیدرآباد دکن سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنے آپ کو  
 نسماحول میں ڈھال لیا ہے اور ان کی ذاتی اور نجی زندگی میں اس نئی تبدیلی  
 کا بہت کم اثر ہوا ہے۔ ایسے اضلاع جو حیدرآباد دکن کے اہم اضلاع تھے  
 ان میں ایک ضلع نانڈیڈو بھی ہے جو لسانی تقسیم کے زیریں آکر مہاراشٹر حکومت  
 کا ایک حصہ بن گیا ہے اردو تہذیب اور معاشرہ سے وابستہ نانڈیڈو کے  
 لوگوں خاص طور پر ان لوگوں سے جو اردو زبان، اردو شعر و ادب سے  
 رشتہ رکھتے ہیں میری رسم درہا ہے جن میں سے ایک مقبول شاعر پروفیسر  
 فہیم احمد صدیقی بھی ہیں جن کی شاعرانہ قدردانیت ملک کے اردو حلقوں  
 میں یکدم برائی حاصل کر چکی ہے۔ فہیم احمد صدیقی نانڈیڈو کے شہری ہیں مہاراشٹر  
 ۱۹۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا محمد عمر صدیقی اظہر جالندھوی کے فرزند دل بند  
 ہیں۔ ایم اے۔ بی ایڈ کی سند رکھتے ہیں فخر و ح سلطان پوری کی شاعری پر  
 پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ پرتھوی نکیٹن کانج نانڈیڈو کے صدیقی  
 شعرا اردو ہیں۔ حیرت میں بورڈ آف اسٹڈیز اردو ہیں۔ سوامی رامانند

نیرتھ یونیورسٹی نانڈیر کی ایکڈمک کونسل کے رکن ہیں۔ رکن ہمارا شرط  
 ایسٹ اردو ایکڈمی بھی ہیں۔ جرنل سکریٹری اردو ایکڈمی نانڈیر  
 ہونے کے علاوہ جو اہر ایجوکیشن سوسائٹی، سرسید کالج اورنگ آباد  
 کے رکن عالمہ ہیں۔ ۱۹۶۸ء سے شعر کہہ رہے ہیں "نقش دوام" کے  
 نام سے ایک مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے۔ "وارفتہ" کے نام سے ایک  
 مجموعہ کلام زیر اشاعت ہے آل انڈیا ریڈیو نانڈیر، ممبئی، اورنگ  
 آباد سے ان کا کلام نشر ہوتا رہتا ہے دور درشن کے مشاعرے بھی  
 پیر چکے ہیں جبار آباد، ممبئی، برہان پور، ناگپور، علی گڑھ، شولالپور  
 پونا وغیرہ کے کل ہند متاعروں میں کلام سنا چکے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے  
 سے ہی فہیم احمد صدیقی کو اردو شعر و ادب سے دلچسپی ہے اردو ماحول میں  
 تربیت یافتہ اس شاعر کو اپنی شعری و ادبی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے  
 مواقع ملنے رہے۔ نانڈیر کے مقبول ترین شاعروں میں ان کا شمار  
 ہوتا ہے۔ نانڈیر میں محمود عشقی بھی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں جو کچھ برسوں  
 سے طوالت عمر اور ناسازی مزاج کی وجہ سے شاعروں میں شرکت نہیں  
 کر رہے ہیں۔ فہیم احمد صدیقی سے میری پہلی ملاقات نظام آباد کے ایک  
 مشاعرے میں ہوئی تھی جس کے داعی نظام آباد کے ممتاز شاعر، مدیر ماہنامہ  
 "گوخ" جمیل نظام آبادی تھے۔ جمیل نظام آبادی سے ان کے گہرے دوستانہ  
 مراسم ہیں نظام آباد کے اکثر شاعروں میں مدعو رہتے ہیں فہیم احمد صدیقی  
 کی حیدر آباد کے ایک نامور شاعر، رئیس اختر سے بھی دوستی ہے مجھ سے

ملاقات ہونے سے پہلے رئیس اختر سے فہیم احمد صدیقی کے مراسم ہیں۔  
 فہیم احمد صدیقی نانڈی پور کے نمائندہ شاعر تو ہیں ہی ہیں لیکن ملک کے تمام  
 مشاعروں میں جہاں جہاں انہوں نے کلام سنایا ہو گا یقیناً داد و تحسین  
 سے نوازے گئے ہوں گے۔ میں نے انہیں نانڈی پور کے مشاعرہ کے علاوہ  
 نظام آباد اور حیدر آباد کے بعض مشاعروں میں سُننے سے پُر اثر ترغیب کلام  
 سناتے ہیں ان کی شاعری دل کو چھونے والی ہوتی ہے اُن کی اچھی شاعری  
 پیر ترغیب نگینہ کا کام کرتا ہے۔ شاعر دوست ہیں، دوستی کی قدر و قیمت کا  
 انہیں پوری طرح انداز ہے اس لیے اُن کے دوستوں میں بہت سے اچھے  
 اچھے نامور اہل قلم شامل ہیں فہیم احمد صدیقی ایک حرکیاتی شخصیت کے مالک  
 ہیں۔ زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں مصروف رہتے ہیں۔ ادبی جلسوں  
 اور مشاعروں کے انعقاد میں شخصی دُشپی لیتے ہیں۔ نانڈی پور میں کلّی ہندو اس  
 پر ہونے والے مشاعروں میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں نانڈی پور کی ایک با اثر  
 شخصیت ہیں ان کی شاعرانہ عظمت و رفعت سمعہ عام میں انہیں ایک اہم  
 مقام عطا کیا ہے۔ اردو تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں حتیٰ  
 انتہائی خلقِ مخفی نرسی انسان ہیں ان کی طبیعت میں انگاری کے ساتھ خود دار  
 بھی ہے۔ انہیں اپنی شاعرانہ ہجاء کا احساس ہے اپنی شاعرانہ حیثیت  
 کو برقرار رکھنے میں نساہلی سے کام نہیں لیتے۔ فہیم احمد صدیقی نوجوان قلم کاروں  
 کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں پر بھی کے شاعروں اور وہاں کے ادبی و  
 شعری ماحول سے دُشپی رکھتے ہیں۔ فہیم احمد صدیقی ادبی رسالوں کے بھی شاعر ہیں

لیکن اپنے کلام کی اشاعت میں کم دلچسپی لیتے ہیں کبھی کبھی خوشبو کا صمغ میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اخبار سیاست میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے فہیم احمد صدیقی میرے پسندیدہ شاعر ہیں اس لیے میری ہمیشہ یہ کو مشفق رہتی ہے کہ وہ حیدرآباد کے کل ہند مشاعروں کے علاوہ بعض اہم مشاعروں میں شریک رہیں۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند نعتیہ مشاعرہ کے لیے بھی میں انہیں مدعو کرتا رہا جبکہ میں ان مشاعروں کا معتمد تھا دارالسلام کے سالانہ کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے نمائندہ شاعروں کی شمولیت میری معتمدی کے زمانے سے ہی ہونے لگی۔ فہیم احمد صدیقی مشاعرہ دکن کے سالانہ مشاعروں میں شریک رہے ہیں جو کہ میں زیر سرپرستی کونڈا لکشن یا پوجی سابق ریاستی وزیر اطلاعات مشاعرہ دکن کا فائونڈر سکریٹری تھا اضلاع کے تقریباً ۳۰ منتخب شاعروں کو مدعو کیا جاتا تھا مشاعروں میں پر بھنی، اورنگ آباد اور نانڈیڈی کے شاعر بھی مدعو رہتے تھے حال ہی میں جشن گوکٹڈہ سوسائٹی کے مشاعرہ میں انہوں نے شرکت کی تھی اپنے بہترین اور پُر اثر ترنم سے اس محفل پر چھا گئے تھے۔ فہیم احمد صدیقی ایک یار یا شاد دوست نواز، دوستی کے قابل انسان ہیں اگرچہ فہیم احمد صدیقی نانڈیڈی میں سکونت پذیر ہیں لیکن ان کی گفتگو، ان کے رہن نگاہیں اور ان کے شاعرانہ تربیت یافتہ مزاج سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حیدرآبادی ہیں۔ ان کے لب و لہجہ میں اپنا بیٹا رہتی ہے خالصانہ روایے کے شاعر دلنوازی ہیں۔ نہایت

سادہ مزاج، شگفتہ طبیعت، منکسر المزاج، اعلیٰ ظرفی، باکردار شخصیت  
 گئے حامل ہیں۔ فہیم احمد صدیقی کا دور حاضر کے شاعروں میں ایک اہم مقام  
 ہے۔ جدید شاعری بھی سمجھے جائے۔ تھے ہیں لیکن انہوں میں کلاسیکی شاعری کا ایک اہم  
 شاعر مانتا ہوں۔ ان کے کلام میں کلاسیکی شاعری کے وہ تمام جوہر  
 ملیں گے جو سادہ وقاری کے ذہن و فکر کو چمکاتے ہیں اگر منتظمین مشاعرہ  
 کے فہیم احمد صدیقی سے اچھے سراہم ہیں تو انہیں شاعروں میں مدعو کرنے کے  
 لیے خوش آمد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی صرف ایک ٹیلی فون کافی ہے وعدہ  
 کے پابند شاعر ہیں۔ مخصوص شاعرانہ عادات سے میرا ہیں ان کا شاعرانہ مرنہ  
 بے داغ ہے شعری ادب میں جو کچھ بھی مقام انہوں نے پایا ہے اس میں کسی اور  
 کی ہر باتوں کا دخل نہیں ہے اپنی ذاتی صلاحیتوں سے اس مرتبہ پر پہنچ گئے  
 ہیں۔ خوش مزاجی، شائستگی اور عمدہ اخلاق کی وجہ سے ادبی حلقوں میں قدر  
 کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اگرچہ فہیم احمد صدیقی سے میری ملاقات کم  
 کم رہی ہے لیکن ان کی پُراثر شخصیت نے کم کم ملاقات میں ہی مجھے اپنے طرف  
 متوجہ کر لیا ہے حیدرآباد کے شاعروں میں رئیس اختر ان کے بہت ہی قریبی  
 دوست ہیں۔ ان کی مقبولیت کو دوبالا کرنے میں ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ حاضر  
 میں ان کی مقبّر شہری کی حیثیت کو بھی بڑا دخل ہے جو لوگ اپنی نجی زندگی میں کامیاب  
 رہتے ہیں وہ اپنی سوسائٹی میں بھی نیک نام رہتے ہیں فہیم احمد صدیقی مجھے یقین ہے کہ اپنے  
 سراہم کی بنیاد پر زبان و ادب کے بہت سے سرکاری و غیر سرکاری لوگوں سے کام لیتے  
 رہیں گے اردو زبان کی بقا و کھیلے فہیم احمد صدیقی جیسے سرگرم عمل شخصیتوں کی خاص طور پر آج  
 کے دور میں بے حد ضرورت ہے۔

# سلیم عابدی

(نوش گلو، بہترین شاعر، نامور ناظم مشاعرہ، خلیق انسان)

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حیدر آباد کے شاعروں کے مقابلے میں  
افلاک کے شاعروں کی قدر نہیں کی جاتی۔ فن کار فن کار بہت ملے جس کو  
شہر اور افلاک کے خانوں میں بانٹا نہیں جاسکتا۔ اچھا فن کار جہاں کہیں  
بھی ہو وہ اپنے فن کا جوہر دکھالے۔ افلاک میں بھی نامور شاعر، اس قدر فن  
اور قابلِ قدر دانشور موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اس کی کمی کی وجہ سے  
وہ شہر کے شاعروں کے مقابلے میں نسبتاً مشہور نہیں ہیں۔ افلاک کے شاعرو  
میں بعض ایسے باملا جیت شاعر موجود ہیں جن کا حیدر آباد کے صفِ اول کے  
شاعروں میں شمار کیا جاسکتا ہے اگر شہر سے تمام باختر دانشوران شعر و ادب  
کھلے دل و دماغ سے کام لیں تو شہر اور ضلع کی تحفیں ختم ہو سکتی ہے لیکن اس  
کو کیا کہیے کہ بعض اہم ادبی مواقع پر بھی افلاک کے شاعر نظر انداز



کہنے جلتے ہیں۔ اس کے باوجود شہر کے سربراہان محفلِ شعر و ادب میں کچھ ایسی  
 شخصیتیں موجود ہیں جو اضلاع کے شاعروں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں  
 اور جب کبھی موقع ملے انھیں شہر کے بڑے بڑے مشاعروں اور اہم اہم علمی  
 ادبی تقاریب میں مدعو کرتے ہیں۔ جہاں تک شہر کے اہم مشاعروں میں گزشتہ  
 کچھ برسوں سے اضلاع کے شاعروں کو مدعو کرنے کا سوال ہے میں ہمیشہ پیش  
 پیش رہا ہوں۔ ادھر کچھ برسوں پہلے تک حیدر آباد کے بڑے مشاعروں میں  
 اضلاع کے مشاعروں کو ہیئت کم مدعو کیا جاتا تھا لیکن میں نے کل ہند محفلِ نغادہ علیین  
 کے سالانہ کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے ممتاز شاعروں کو مدعو کرنے  
 کی روایت ڈالی ہے چنانچہ جتنے برس میں معتمدِ مشاعرہ رہا اضلاع کے تقریباً  
 دس شاعروں کو مدعو کیا کرتا تھا۔ شہر کے بعض اہم مشاعروں میں میں مدعو کیا کرتا  
 ہوں۔ میں نے مشاعرہ دکن کی بنیاد رکھی۔ چھ سال تک سالانہ مشاعرے ہوتے  
 رہے جس میں اضلاع آندھرا پرنش اور اضلاع حیدر آباد کے تقریباً ۳۰ شاعروں  
 کو مدعو کیا جاتا تھا میں اس مشاعرہ کا بانی جنرل سکریٹری تھا۔ یہ مشاعرے حیدر آباد  
 کی گنگا جحی تہذیب کے قدر شناس کوئٹہ انکسٹن باجوہ سابق ریاستی وزیر  
 محکمہ اطلاعات کی زیر نگرانی جسٹس ساگر کے کنوارے بنفام جلا در شہم پیر بڑے  
 ہی اہتمام کے ساتھ منعقد ہونے لگے جس کی مدارت سابق گورنر آندھرا پرنش  
 جناب کرشن کانت کے علاوہ جناب عابد علی خان صاحب مدیر روزنامہ  
 "پراکاش" انڈیا شاہ عالم خان مدد نشین انوار العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی  
 ڈاکٹر سید عبدالغنی مدد نشین نرئی اردو اور تلگو کے نامور شاعر

ڈاکٹر سی مارائن ریڈی جیسی نامور شخصیتوں نے کی شعراء کو ان کی خدمت کے اعتراف میں مومنٹو پیش کیے جلتے تھے۔ اضلاع کے بعض شاعروں کو ادبی ٹرٹ اور شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ یہاں شہر کے علمی شعری و ادبی ادارے اور انجمنیں زبان و ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہیں بعض اضلاع کے ادارے اور انجمنیں بھی سرگرم عمل ہیں۔ — سلیم عابدی زائد از ۴۰ برسوں سے شعری و ادبی دنیا میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا احساس دلارہے ہیں۔ سلیم عابدی یکم جولائی ۱۹۴۲ء میں محبوب نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم محبوب نگر میں ہوئی۔ ۱۹۸۰ء میں جامعہ عثمانیہ سے اڑھو میں ایم کیا۔ کمپوٹی ہلٹ آفیسرگز یونیورسٹی کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ان کا مذہب انیس سال تک ہو چکی ہیں اعلیٰ اولیٰ سوز عشق ۱۹۸۰ء اور شعری مجموعہ متاع سخن ۱۹۹۵ء ہیں۔ سلیم عابدی کو عالم محترم شیخ عبداللہ بن شیخ کبیر متقی شاعر سلیم عابدی نے کئی سال تک تعلیم دے رکھی ہے۔ اب وہ ملک بھر کے کل ہند مشاعروں میں شرکت کر رہے ہیں۔ یہ محقق ہیں، محبوب نگری بعض فعال شعری و ادبی انجمنوں سے وابستہ ہیں۔ سلیم عابدی کو اسناد سخن ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے تلمذ حاصل ہے۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے قبول شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سلیم عابدی کو میں زائد از ۲۰ برسوں سے جانتا ہوں۔ بیسیوں مشاعرے ہم دونوں نے ساتھ ساتھ پڑھے ہیں۔ سلیم عابدی بہت ہی اچھے شعر کہتے ہیں ان کی غزلیں ان کے منفرد پیراثر قلم کی وجہ سے دو آتشہ ہو جاتی ہیں۔ سلیم عابدی پورے اعتماد کے ساتھ شعر سناتا کرادہ نقیبین قابل کستہ ہیں۔ یہاں نقیب

ہمیشہ نثر میں کلام سنانے ہوئے رکھا ہے شاید ہی کبھی کبھی نثر میں بھی کلام  
سنانے ہوں۔ لیکن ان کی پہچان منظم شاعر کی حیثیت سے ہے سلیم عابدی  
سلیم بطحہ، خوش اخلاق، پختہ خلوص، خوش مزاج اور زندہ دل انسان ہیں  
ان سے ملاقات کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ ہم ایک بارغ و بہار شجاعت سے ہم کلام ہیں  
بہت اچھے موڈ میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں مزاج بھی ہے دوران  
گفتگو جس قدر مزاجیہ جملوں سے ماحول کو کچھ ہی دیر میں خوشگوار بنا دیتے ہیں  
ان کا ہلکا ہلک کر بات کرنا، کبھی بھل کر اور کبھی برہنہ رو سے ساختہ ان  
کا گفتگو کرنا مخاطب کو متاثر کرتا ہے۔ سلیم عابدی نہایت دل و دماغ کے انسان  
ہیں۔ ان کا دل آئینہ کی طرح عاقل ہے ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے چونکہ بہت  
خود وہ ایک بھلے اور نیک انسان ہیں اس لیے وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی  
اور ان کی بہتری کے لیے سوچتے رہتے ہیں۔ شاعر سوادری سے ہٹ کر ہمارے  
کے شرف و بھروسے سے خلق رکھنے والے ہو گئے ہیں ان کی صاحب سلامت ہے۔  
سلیم عابدی کے مزاج کا یہ ساخسہ ہے ان کی فطرت کا ایک اہم وصف ہے حیدر آباد  
کے تمام ادبی حلقے ان کے نام اور ان کی ادبی مصروفیات سے واقف ہیں۔ ان کی  
شاعرانہ صلاحیتوں کی قدر کرتے ہیں۔ سلیم عابدی ہر شاعر کے لیے کامیاب رہتے  
ہیں۔ اپنے بہترین شعر کے ساتھ ساتھ اپنے منفرد و متاثر کن نثر کے سبب  
ہمارے مشن سے پر چھا جاتے ہیں سلیم عابدی محبوب نگر کی محضوی پہچان بن  
گئے ہیں۔ سب ادبی شعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے سلیم عابدی ایک  
کامیاب ناظم شاعر بھی ہیں بافضول نوب نگر میں ہونے والے شاعروں کے

ماہم شاعرہ رہتے ہیں سلیم عابدی کا رکھنا کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ ضلع کے شاعر  
 معام نہیں ہوتے۔ ان کا کلام روزنامہ سیاست کے علاوہ خوشیو کا سفر میں  
 شائع ہوتا رہتا ہے ریڈیو اور دور درشن کے ذریعہ بھی ان کا کلام ہم تک  
 پہنچ جاتا ہے۔ سلیم عابدی نے دور درشن کیندر کے علاوہ کل ہند سطح کے  
 مشاعروں میں بھی کلام سنایا ہے اردو زبان و ادب کے اہم خدمت گداروں میں  
 انہیں شہرت حاصل ہے کچھ عرصہ تک اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے پی آر او  
 رہی رہے سلیم عابدی کے دوستوں کا ایک بیڑا حلقہ ہے جس میں معاشرہ کی ہر سطح  
 کے لوگ موجود ہیں۔ سلیم عابدی سے اظہار کے مشاعروں میں لازماً ملاقات ہو جاتی  
 ہے شہر کے بھق مشاعروں میں بھی وہ مدعو رہتے ہیں۔ ہزاروں سامعین کی موجودگی  
 میں جم کر شعر سناتے ہیں وہ ایک حاس شاعر ہیں مشاعروں میں منتخب شعر ہی  
 سناتے ہیں انہیں زیادہ شعر سنانا پسند نہیں ہے جب سلیم عابدی شعر سناتے ہیں  
 تو سارے سامعین ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور پوری توجہ کے ساتھ ان کے  
 کلام سے غلطوٹ پوننے ہیں۔ بعض پیشہ ور شاعروں کے طرز عمل سے وہ بے حد  
 ناان ہیں انہیں وہ شاعر زیادہ پسند ہیں جو کتابوں اور رسالوں کی دنیا کے شاعر  
 نہیں جانتے ہیں۔ سلیم عابدی جیسے دوستوں سے مل کر خوشی ہوئی ہے ذہنی تھکن  
 دور ہو جاتی ہے اس شخص میں غرور، گھمنڈ جیسی کوئی چیز نہیں ہے ہر موقع پر  
 اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں مشاعروں میں آداب شاعرہ کا خیال رکھتے  
 ہیں۔ اپنے شاعر دوستوں سے گل کر لیتے ہیں اور بلا لفظ سلسلہ گفتگو جاری  
 رکھتے ہیں کم آمیزیاں نہیں پسند نہیں۔ ہمیشہ اجاب میں گھرے رہتے ہیں۔ ان کا

دائرہ احباب محدود نہیں ہے۔ اپنی ہم سالہ شاعرانہ زندگی میں انہیں بے شمار  
 شاعروں کے ساتھ ملکر سے پڑھنے کا موقع ملا۔ لیکن کچھ ہی شاعر ایسے ہیں  
 جو ان کے ہم خیال ہیں دوستی اور مراسم کے تازک فرق سے وہ واقف ہیں مثلاً  
 ہیں وقت کی پایندہ کرتے ہیں۔ وعدہ کئے پایندہ رہا کرتے ہیں، جھوٹا دعا  
 مکر دریا سے کوسوں دور ہیں۔ ان کی ساری زندگی آئینہ مثال ہے خوش نظری  
 خوش مزاجی اور خوش دلی ان کے شاعرانہ وصف ہیں۔ ان کے کلام میں  
 کلاسیکی شعری ادب کی گہری چھاپ ملتی ہے وہ کلاسیکی اقدار اور  
 مہذب معاشرہ سے بہت قریب رہا کرتے ہیں۔ مجھے سلیم عابدی کی ہر ادا  
 پسند ہے ان کی والہانہ وابستگی بھی پسند ہے۔ میں انہیں اپنے قریب  
 محسوس کرتا ہوں۔

# جمیل نظام آبادی

(اضلاع کے شاعروں کے میر کاواں نامور شاعر و صافی)

جہد آباد کی شعری و ادبی تازخ میں اضلاع کے شاعروں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا سہرا جمیل نظام آبادی کے سر جاتا ہے جمیل نظام آبادی نے یکساں ایک بامقصد و یادگار رسالہ گونج کے ذریعہ کیا ہے جو زیادہ تر اضلاع کے شاعروں کی تخلیقات کی اشاعت کے لیے مختص ہے۔ جمیل نظام آبادی یہ یادگار خدمت زائد از ۳۰ سال سے کر رہے ہیں۔ جہد آباد میں اور اضلاع آندھرا پردیش میں کوئی ادبی رسالہ ایسا نہیں ہے جو اضلاع کے شاعروں کی مکمل نمائندگی کرتا ہو۔ جمیل نظام آبادی ایک تجربہ کار صحافی ہونے کے علاوہ ایک منفرد شاعر بھی ہیں جو زائد از تین دہیوں سے شعرا کہہ رہے ہیں مشاعروں کی دنیا میں مشاعروں کے آرگنائزر کی حیثیت سے بھی کافی شہرت رکھتے ہیں، ۳۲، ۳۳ برس سے نظام آباد کی شعری و ادبی فضا پر چھائے ہوئے ہیں مشاعرے ہوں

کہ ادبی تقاریب وہ پوری دلچسپی کے ساتھ مصروف ہو جاتے ہیں زبان و ادب کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں آج سے ۳۴ برس پہلے نظام آباد کے نامور شاعر مرزا وحید بیگ ایڈووکیٹ نے بھی بہت سے مشاعرے منفقہ کیے ہیں۔ مرزا صاحب کسی زمانے میں صدر وقف بورڈ بھی تھے مشاعروں کے انعقاد میں وہ کافی دلچسپی لیتے رہے۔ ان کے بعد نظام آباد میں سب سے زیادہ متحرک، فعال شخصیت صرف جمیل نظام آبادی کی ہے بہ الفاظ دیگر اپنے آپ کو وہ اردو دنیا، اردو تہذیب اور اردو جلسوں اور مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں وقف کر چکے ہیں۔ چاہے وہ سرکاری مشاعرے ہوں کہ غیر سرکاری جمیل نظام آبادی کے بغیر مشاعروں کے کامیاب انصرام کے بارے میں سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ جہاں تک اضلاع کے نمائندہ شاعروں کا ذکر آتے ہیں وہاں اضلاع کے شاعروں کی اولین فہرست میں جمیل نظام آبادی کا نام بھی نمایاں نظر آئے گا۔ نظام آباد میں ایک اور کہنہ مشق شاعر اور کامیاب ناظم مشاعرہ تنویر واحدی ہیں جو اکثر ادبی تقاریب اور مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں جمیل نظام آبادی کے بہترین معاون رہا کرتے ہیں۔ جن کا کچھ برس پہلے مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے آج بھی نظام آباد کے کچھ نوجوان مشاعروں و ادیبوں کی شعری و ادبی دلچسپیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نظام آباد کی شعری و ادبی سرگرمیوں کی روایات باقی ہیں۔ جمیل صاحب اردو کے مسائل پر اپنے ہم خیال رفقاء کے ساتھ حکومت سے نمائندگی کرتے رہتے ہیں نظام آباد کی علمی و ادبی فضا میں جمیل نظام آبادی

پنی بیکہ نامی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں جمیل صاحب کی دعوت پر میں نے  
نظام آباد میں بیسیوں مشاعرے پڑھے ہیں تمام شاعروں کے ساتھ ان کے  
دوستانہ اور منہانہ مراسم ہیں جمیل نظام آبادی ایک اصول پسند و وعدہ کے  
پابند اپنی بات پر قائم رہنے والے انسان ہیں امین اور دیانت داران  
ہیں۔ یہاں شعراء کے قیام و طعام کا معقول انتظام کرنے کے علاوہ شعراء کے  
معاوضہ کے سلسلے میں بھی محتاط روی کے باوجود فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔  
جمیل نظام آبادی ملک کے بہت سے علاقوں میں مشاعرے پڑھ چکے ہیں حیدرآباد  
اور اضلاع کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جانے ہیں۔ مشاعروں  
کی اعلیٰ روایات کے پاسدار ہیں احساسِ ذمہ داری کے ساتھ مشاعروں کا اہتمام کرتے  
ہیں۔ نظام آباد کے ایک معتبر و باوقار شہر کی ہیں نظام آباد کے معزز شخصیتوں میں  
ان کا شمار ہوتا ہے وہاں کے لوگ ان سے علمی و ادبی تعاون کے علاوہ فلاحی و ملی  
کاموں میں بھی مدد لیتے ہیں لوگ ان پر بھروسہ کرتے ہیں ان کی خدمات کی دل و  
جان سے قدر کرتے ہیں کوئی مسئلہ تصفیہ طلب ہو یا تعاون کا خواہاں ہو تو وہ ذمہ داری  
کے ساتھ وابتہ ہو جاتے ہیں جمیل نظام آبادی کی زندگی مسلسل کد و کاوش اور  
محنت شافقی نثر جو جان بیتی ہوئی ہے۔ جمیل نظام آبادی سے میرا شاعرانہ رشتہ  
بہت پُرانی ہے اب بھی رشتہ خلوص میں پوری دیانت داری کے ساتھ بندھے  
ہوئے ہیں جمیل صاحب نظام آباد میں جب بھی کوئی مشاعرہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے  
لازمًا اُس مشاعرہ میں مدعو کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر مشاعروں میں حیدرآباد کے  
شاعروں کو مدعو کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپتے ہیں میرے منتخب کردہ شعراء ذریعہ



کارشاعروں میں شرکت کرنے ہیں۔ ملک کے کئی نامور شاعروں نے نظام آباد کے  
 مشاعروں میں شرکت کی ہے میں خود بھی زائد از ۳۰ برسوں سے نظام آباد کے  
 مشاعروں میں شرکت کر رہا ہوں۔ بودھن میں بھی من شعروں کی ایک تاریخ ہے  
 نظام آباد کے تعلقوں میں بودھن ہی ایک ایسا تعلقہ ہے جہاں بے شمار مشاعروں  
 کی روایت ہے بودھن کے بھی کئی مشاعروں میں میں نے شرکت کی ہے نظام آباد میں  
 کلکٹر نظام آباد مسٹر جوہری کے زمانے میں ایک تاریخی کل ہند مشاعرہ ہوا تھا جس  
 میں نظام آباد کے نمائندہ شاعروں کے علاوہ خمار بارہ بنکوی نے بھی شرکت کی تھی نظام  
 آباد کے ٹاؤن ہال میں برسوں ہوتے رہے لیکن اب مختلف مقامات پر  
 ہوا کرتے ہیں جمیل نظام آبادی تحت میں کلام سنتے ہیں اور مشاعروں پر چھپا جاتے  
 ہیں۔ حیدر آباد کے مشاعروں میں بھی جمیل نظام آبادی کی خاطر خواہ پذیرائی کی جاتی  
 ہے جمیل نظام آبادی گذشتہ کچھ برسوں سے ادارہ سباست اور ادب ٹرسٹ کے  
 تعاون سے ادارہ گوچ کے زیر اہتمام ہر سال اضلاع کے شاعروں کا نمائندہ مشاعرہ  
 منعقد کرتے ہیں یہ مشاعرے بھی نظام آباد میں ہوتے ہیں اور کبھی حیدر آباد میں۔  
 میں نے زیر سرپرستی مجاہد اداوی کونڈا لکشن سابق وزیر اطلاعات، رباست حیدر آباد  
 دکن کے اضلاع سے تعلق رکھنے والے اضلاع آندھرا پردیش سے واسطہ رکھنے والے  
 شاعروں کے مشاعروں کے لیے ”مشاعرہ دکن“ کی بنیاد ڈالی چھ سال تک پیشہ ور  
 نہایت پابندی کے ساتھ اعلیٰ پیمانے پر جلا درشم ساحل حسین ساگر پر  
 ہوتے رہے۔ مشاعروں کے تمام اخراجات کی تکمیل کونڈا لکشن بالوچی اپنے طور پر  
 کرتے تھے میرے معاونین میں رئیس اختر، ”نہپال سنگھ ورما“ مومن

خان شوق تھے۔ شہر کے نمائندہ شاعر بھی اس مشاعرے میں کلام سناتے تھے شعراء کی خدمت میں لازماً مونسو پیش کیے جاتے تھے گورنر کرشن کانت کے علاوہ نواب شاہ عالم خان، عابد علی خان اور ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، جیسٹس سردار علی خان ڈاکٹر سید عبدالمنان نے بھی مشاعرہ کی صدارت کی ہے۔ جمیل نظام آبادی صرف شاعر ہی نہیں ہیں ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں ان کی نثری صلاحیتوں کا اظہار گوئیچ کے اداروں میں ہوتا ہے گوئیچ کے بعض ادارے ہماینتا اہم ہیں جمیل نظام آبادی کا کلام آل انڈیا ریڈیو کے کئی برسوں سے نشر ہو رہا ہے دور درشن سے بھی ان کا کلام ٹیلی کارٹ ہوتا ہے اخبار سیاست کے علاوہ اردو کے ادبی رسائل سب اس خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے جمیل نظام آبادی یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو نظام آباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم نظام آباد میں ہوئی۔ میسوریو نیورسٹی سے ۱۹۹۱ء میں اردو میں ایم اے کیا۔ اردو اکیڈمی لائبریری کے برانچ مینجر ہیں تاحال ان کے تین شعری مجموعے سنگتے خواب (۱۹۷۸ء) تجدید آرزو (۱۹۸۵ء) اور صبر جمیل (۱۹۹۳ء) شائع ہو چکے ہیں وہ اوائل عمر ہی سے شعر کہتے ہیں لیکن ۱۹۷۰ء سے شعر و ادب کی دنیا میں شہرت پانے لگے۔ جناب سغنی صدیقی سے انہیں شرفِ تلمذ رہا ہے ۱۹۷۳ء سے ہفتہ وار گوئیچ جاری کیا جو بعد میں ماہنامہ میں تبدیل ہو گیا۔ دائرہ ادب کے جرنل سکریٹری ہیں کئی ادبی ایوارڈز و اعزازات مل چکے ہیں۔ جمیل نظام آبادی کی شاعری کا رشتہ کلاسیکی شعری ادب سے ہے لیکن ان کے شعر عصری حسیت کے بھی نریمان ہیں ان کا شاعرانہ لب و لہجہ متاثر کرتا ہے اردو کے مقبول شاعروں میں اپنا ایک اچھا خاصا مقام

رکھتے ہیں حیدر آباد کے تقریباً تمام ادبی حلقوں کے سربراہوں سے اُن کی ملاقات  
 ہے ادارہ سیاست سے بھی اُن کے دبیرینہ روابط ہیں حیدر آباد میں  
 مشاعروں میں جمیل نظام آبادی کی دل کھول کر پزیرائی کی جاتی ہے حیدر آباد  
 کے ایک فعال ادارہ 'ادارہ سوغاتِ نظر' کی جانب سے ان کے فکر و فن کو  
 خراجِ پیشین کیا جا چکا ہے۔ جمیل نظام آبادی میرے بہت قریب ترین  
 دوستوں میں سے ایک ہیں۔ ہمارا رشتہ دوستی الوٹ ہے انتا والدہ ہمارا  
 خلوص اسی طرح باقی رہے گا

# نادر اسلوبی

(زودگو۔ کہنہ مشق نامور شاعر)

ہماری ریاست کے شاعروں میں جس شاعر کا کلام ملک کے ادبی و  
 نیم ادبی رسالوں میں سب سے زیادہ شائع ہوتا ہے وہ نادر اسلوبی ہیں۔  
 ویسے ہمارے ادبی حلقوں میں کچھ اور شاعر بھی ملیں گے جن کا کلام ادبی رسائل  
 میں شائع ہوتا رہتا ہے لیکن ان میں نادر اسلوبی کو اولیت حاصل ہے ہمارے  
 ہاں دو طرح کے شاعر ہیں کچھ شاعر ادبی رسائل میں اپنے کلام کی اشاعت کے سبب  
 شہرت رکھتے ہیں اور کچھ مشاعروں کی وساطت سے۔ لیکن مشاعروں کے  
 شاعروں کے مقابلے میں رسائل میں چھپنے والے شاعروں کی اہمیت بڑھ جاتی  
 ہے۔ بعض شاعر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کلام کسی بھی رسالے میں دکھائی  
 نہیں دیتا برخلاف اس کے وہ مشاعروں کے ذریعہ سے اردو دنیا میں مشہور ہیں  
 بعض ایسے بھی شاعر ہیں جو مشاعرے بھی پڑھتے ہیں اور رسائل میں بھی چھپتے  
 ہیں۔ نادر اسلوبی ایک زودگو شاعر ہیں اس کے باوجود ان کا صرف ایک مجموعہ کلام

شائع ہوا ہے ان کا مجموعہ کلام نوک قلم ۶۲۰۲ میں شائع ہوا۔ ان کے ہاں بہت سا اور کلام موجود ہے اگر وہ دلچسپی لیں تو کچھ اور مجموعے شائع ہو سکتے ہیں ان کا "غلی نام" نادر اسلوبی ہے اور اصلی نام غلام علی شاہ قادری۔ والد کا نام احمد علی شاہ قادری علیہ السلام ۱۹۳۰ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے محلہ گھانسی بازار میں (حیدرآباد) میں ان کا آبائی مکان ہے نادر اسلوبی اگرچہ حیدرآبادی ہیں لیکن انہوں نے اپنے کاروبار کی وجہ سے ورنگل کو اپنا وطن ثانی بنالیا ہے جہاں یہ تجارت کرتے ہیں اصلاً کے کہنے مشرقی شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے تقریباً ۴۰-۵۰ برس سے شعر کہہ رہے ہیں انہیں استاد سخن طالب رزاقی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے غزل کے رسیا ہیں زیادہ غزلیں ہی کہتے ہیں قطعاً نظمیں بھی ان کے ہاں ملتے ہیں نادر اسلوبی کی شاعری بنیادی طور پر کلاسیکی ہے لیکن وہ جدید اسلوب میں بھی شعر کہتے ہیں جدت طرائف میں نئے نئے قافیوں میں شعر کہنے کا شوق ہے نئے نئے لفظوں سے اپنے اشعار میں تنوع پیدا کرتے ہیں نہایت مستعار مخلص خوش اخلاق انسان ہیں۔ ان کا مخصوص لباس شیروانی ہے ان کی شروانیاں عام لوگوں کی شیروانیوں کے مقابلہ میں اپنی رازمی قدر کے لئے شہرت رکھتی ہیں ڈھیلی ڈھالی شیروانی پہنتا پسند کرتے ہیں مخصوص گلری شیروانیاں انہیں پسند ہیں شاعرانہ مزاج رکھتے ہیں زبان و ادب سے کافی دلچسپی ہے عارف سخنری زبان میں گفتگو کرتے ہیں ان کے زیرِ ملاحظہ کتابیں زیادہ رہتی ہیں مذہبی علوم سے بھی انھیں شغف ہے نادر اسلوبی کے ہاں عقیدت میں ڈوبی ہوئی نعتیں اور منقبتیں ملی جلی ہیں۔ شاعر نے پڑھنے کے شوقین ہیں پرانے شہر کے اکثر

مشاعروں میں کلام سناتے ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ، سوغات نظر، خورشید احمد جانی میمبولی، اجدی اور یزم جو ہر کے مشاعروں میں بھی مدعو رہتے ہیں جمنار شاعر مومن خان شوق اور کلیم قریشی ان کے استاد بھائی ہیں مومن خان شوق نے بھی اپنے ابتدائی کلام پر طالب رزاقی صاحب سے اصلاح لی۔ میں نے نادر اسلوبی کو پیپا لیس ہوٹل میں بھی طالب رزاقی صاحب کے ساتھ کئی بار دیکھا ہے طالب رزاقی صاحب کے اکثر شاگرد ان سے ملاقات کرنے اور اپنا کلام پر اصلاح کے لیے پیپا لیس ہوٹل آنے تھے طالب صاحب اکثر شاگردوں کے کلام کی اسی وقت اصلاح کرتے تھے۔ فی الغور کلام کی تصحیح بھجانی تھی نادر اسلوبی کو اعلیٰ کے مشاعروں میں بھی مدعو کیا جاتا ہے لیکن وہ انہیں مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں جہاں انہیں شرکت کرنا پسند ہے ورنہ گل کی تقریباً تمام انجمنوں کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعروں میں کلام سناتے ہیں ورنہ گل کے سینئر مشاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ورنہ گل میں ان کے معاصر مشاعروں میں اقبال شنیدائی، انور حیات، مرزا مسعود مختار اور تاج معطر بھی شامل ہیں نادر اسلوبی جبر و بادی طرح ورنہ گل کے ادبی حلقوں میں بھی احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں عزیز نزاری اور شریف آدمی ہیں ورنہ دارباد عروج داری ان کے مزاج سے ہم آہنگ۔ یہ احباب کی کثرت کے باوجود اپنے مخصوص احباب سے زیادہ قربت رکھتے ہیں ہندوستان کے تقریباً تمام ادبی رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے ادبی رسالوں میں ہی انہیں نیم ادبی رسالوں میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا ہے ادارہ سوغات نظر کی جانب سے ان کے فکر و فن کا جائزہ اجلاس رکھا گیا تھا جس میں ان کی شاعرانہ قدر و وقعت کو

بھر پور خراج پیش کیا گیا جبر باد کے بعض اہم و فعال انجمنوں کے مشاعروں میں  
 بھی دہان خصوصاً کی حیثیت سے شرکت کرتے رہتے ہیں۔ نادرا سلوپی سے میر  
 شاعرانہ مراسم تقریباً ۳۵، ۵۳ برس سے ہیں نہایت پُر خلوص انسان ہیں  
 مزاج میں کچھ زیادہ ہی انکساری ہے بہت زیادہ چھینے والے شاعر کی حیثیت  
 سے مشہور ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی اس بات پر فخر نہیں کیا۔ ان میں  
 خود نمائی قطعی نہیں ہے جو ایک اچھے انسان کی روشن علامت ہے نادرا  
 سلوپی تخت اللفظ میں کلام سناتے ہیں اُن کے کلام سنانے کا انداز پُر اثر  
 ہوتا ہے بہت عمدہ شعر کہتے ہیں بھی وجہ ہے کہ ہر سال میں ان کا کلام  
 فی الفور شائع ہوتا رہتا ہے نادرا سلوپی کا کلام برسوں سے سیاست میں شائع  
 ہوتا رہا۔ اب بھی کبھی کبھی شائع ہوتا ہے منصف اور رہنمائے دکن ہیں ان  
 کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے جبر باد کے تقریباً تمام شاعروں سے وہ واقف  
 ہیں اُن کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہوتا رہتا ہے دور درشن کے انجن  
 پیر گرام میں بھی انہوں نے کلام سنایا ہے جبر باد کے بعض کل ہند شاعروں  
 میں کلام سنا چکے ہیں میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جبر باد کے کل ہند  
 مشاعروں میں اضلاع کے نمائندہ شاعروں کی بھی نمائندگی ہوئی رہے۔ بعض  
 مشاعروں میں میری کوشش کامیاب رہی ہے جبر باد میں کل ہند مجلس اتحاد الملیں  
 کے کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اضلاع کے منتخب شاعروں کو مدعو کرنے کا سلسلہ  
 میری متحمل شاعرہ کے زمانے سے شروع ہوا۔ دارالسلام کے کل ہند نعتیہ  
 مشاعروں میں اضلاع کے ۸، ۱۰ شعراء شرکت کرتے ہیں مجلس کے سالانہ نعتیہ

مشاعروں کے علاوہ بعض بڑے ادبی مشاعروں میں بھی میں نے اضلاع کے شاعروں کو مدعو کیا ہے عموماً سلیم عابدی، جمیل نظام آبادی، عشرت کے مشاعروں میں اضلاع کے دیگر شاعروں کے مقابلے میں زیادہ متربک رہتے ہیں ویسے یہ دونوں شاعر بہترین شاعر ہونے کے علاوہ گزشتہ ۴۴ برس سے شعری و ادبی انجمنوں کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دیتے آرہے ہیں نادر اسٹوبی و رنگل کی کئی انجمنوں سے وابستہ ہیں لیکن وہ اپنی تجارتی مصروفیات کی وجہ سے انجمن سازی اور محفلوں کے آراستہ کرنے کے لیے وقت نہیں دے سکتے۔ مگر و رنگل کی تمام ادبی انجمنوں کے سربراہوں اور ارکان سے ان کی بہترین رسم و راہ ہے جیسا کہ آباد کے ادبی رسالوں میں سب سے، خوشبو کا سفر ہے ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے زورگوئی کے باوجود انہوں نے اپنی شاعری کے سجاو کو گرتے نہیں دیا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ نادر اسٹوبی نہ صرف اضلاع کے شاعروں میں مقبول ہیں بلکہ جدید آباد کے شاعروں میں بھی پسند کیے جاتے ہیں مجھ سے اور میرے ہم خیال شاعروں سے ان کے خوش گوار روابط ہیں۔ تجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے خوشگوار مراکم اسی آب و تاب کے ساتھ باقی رہیں گے۔



# رشید جاوید

غریب پروردگار دیندار انسان، معاشرہ کا خدمت گزار

اپنا غم اپنا ہی ہوتا ہے۔ اپنی مسرتیں اپنی ہی ہوتی ہیں۔ انسان اپنی زندگی کی نشوونما اور اس کی بہتری کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کی محنت کا پھل ملے۔ اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا جائے۔ اس کے اعمالِ حسنہ کو خراج پیش کیا جاتا ہے۔ معاشرہ میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہو سب کی نگاہوں کا مرکز بن رہے۔ موسم بہاراں میں بھی یاد کیا جاتا ہے اور موسم خزاں میں بھی۔ اگر کوئی انسان صرف سُکھ کا ساتھی ہے تو دُکھ کا کیا ہوگا۔ ادبِ نیچ، نشیب و فراز، دھوپ چھاؤں سے مانوس انسان اپنی زندگی کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کر لیتا ہے جو اس کی سوچ و فکر کے دائرہ میں محصور رہتا ہے اس کا ہر عمل سوسائٹی میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا ایک ایک پل اپنے لیے بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ جو لوگ اپنی زندگی کو دو حصوں میں نہٹ

دیتے ہیں وہ اپنے لیے بھی جیتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی۔ وہ زندگی کی  
 راحتوں اور حیات کی تلخیوں کی آمیزش سے سرگرم عمل رہتے ہیں اور صحیح کمت  
 ہیں اپنی زندگی کا سفر جاری رکھتے ہیں۔ آر۔ ٹی۔ سی ملازمین کے فائنا لائین  
 تعلیمی اداروں سے وابستہ احساس ذمہ داری کے ساتھ سرگرم عمل رہنے والی  
 شخصیت اور معاشرہ کے وہ تمام لوگ جو زندگی کے نئے مسائل میں گھرے  
 رہتے ہیں ان کی بھلائی کے بارے میں غور کرنے والے رشید جاوید ان تمام لوگوں  
 کے بھی دل و نگاہ میں ہیں جو مختلف مسائل میں الجھے ہوئے رہتے ہیں رشید جاوید  
 میرے بھائی ہیں ان سے میرا رشتہ ہی کچھ ایسا ہے کہ ان کی اعلیٰ خصوصیات و  
 صفات کے تذکرہ پر قلم چلتے چلتے رک جاتا ہے پھر بھی ان کی خوبیوں کا تذکرہ  
 کرنا میری ضمیر کی تسکین کے لیے ضروری ہے۔ اس نفسا نفسی کے زمانے  
 میں بھی بہت سے ایسے گھرانے نہیں گے جہاں کا ہر فرد آپس میں بیرونی شکر کی طرح رہتا  
 ہے ایک دوسرے کے دکھ دکھ میں برابر کا شریک رہتا ہے ایک دوسرے کی ضرورت  
 کو محسوس کرتا ہے ایسا گھرانہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے وابستہ ہر فرد اپنے بہترین مستقبل  
 کی آبیاری کے لیے سرگرم رہے۔ خود میں اپنے قدم پر گھرے رہنے کی صلاحیت  
 پیدا کرے۔ حتیٰ الامکان کسی سہاگے کا غم نہ غم نہ ہو۔ اپنے طور پر اپنی زندگی کے  
 خدو خال میں رنگ بھرتا رہے۔ اپنے خاندان میں کچھ اس طرح ہے کہ ہر فرد خاندان  
 اس کی خوبیوں، اس کی نیکیوں اور اس کے عمدہ ادارگی مثال دیتا رہے۔ مثالاً  
 گھرانے کے لوگ اپنے گنہگار کے تحفظ اس کی ترقی کے لیے ایک دوسرے کے تعاون  
 سے بھی مشترکہ ذمہ داری کو محسوس کرنے ہوئے ہر فرد خاندان کی بہتری کے لیے دلچسپی

ہیں تو بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے ہم نے لیے خاندان بھی دیکھے ہیں جہاں آخر انفری  
 کا ماحول رہتا ہے ہر شخص اپنے آپ میں گم رہتا ہے خود غرق، مطلب سیرتی اور صرف  
 اپنی بھلائی کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کرتا ہے اس طرح کا منفی عمل اچھے  
 خاصے خاندانوں، سنگھ موسے کنوں اور قابل مثال قبیلوں میں دراز پیدا کر کے  
 سبب بنتا ہے اپنے خاندان کے لیے رشید جاوید منیت طرز حیات اور روشن  
 فکر و خیال کے حامل سریراہ ہیں وہ اپنے خاندان کے تمام لوگوں کی ترقی اور ان کی بہتری زندگی  
 کے لیے وقف ہو چکے ہیں رشید جاوید پیر و فیروز جلیل ننویر اور عید الفدیر کے  
 بڑے بھائی ہیں انہوں نے اپنے بھائیوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں کوئی کسر  
 باقی نہیں رکھی۔ گھر کے ہر فرد کی دل و جان سے خدمت کرتے رہتے ہیں نہ صرف اپنے  
 گھر کا حال تک ہی ان کی خدمات لائق ستائش اور قابل تقلید نہیں بلکہ اپنے عزیز و  
 اقارب کے لیے بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں ہے اپنے دوستوں  
 اپنے احباب اور اپنے مشناساؤں سے بھی ان کا سلوک پسندیدہ رہا کرتا ہے ان کی  
 ہر ممکنہ مدد کے لیے ہمیشہ وہ تیار رہتے ہیں بلا تخصیص مذہب و ملت نہایت کے  
 علمبردار ہیں عمدہ خصائل، اعلیٰ ظرفی اور جذبہ خدمت و مخلصانہ انہیں بہت زیادہ  
 مقبول بنا دیا ہے رشید جاوید اپنے محکمہ (R.T.C) کے ٹریڈ یونیون لیڈر تھے اب بھی  
 ان کی سرپرستی ملازمین اور ملازمین کی لواحقین کو حاصل ہے اگرچہ کہ وہ اپنی خدمت  
 سے ریٹائر ہو چکے ہیں لیکن ان کے جذبہ خدمت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ محکمہ گرنی کی تعلیمی و  
 ادبی تنظیموں، اداروں اور اجتماعوں سے آج بھی وہ وابستہ ہیں لیکن نسبتاً  
 اپنا زیادہ وقت تعلیمی اداروں والین کے انتظامیہ کے لیے دیتے ہیں رشید جاوید کا

خاندان پولیس ایکشن کی سفاکانہ ضرب سے محفوظ نہ رہ سکا۔ تعلقہ ہمنیاد میں  
 محمد نذیر خان بازار میں ان کا آبائی مکان تھا ان کے والد ماجد محمد قاسم تاجر تھے  
 رشید جاوید کے شغلیں میں کچھ لوگ تجارت پیشہ تھے اور کچھ ملازم سرکار۔ ان کے  
 نانا عبد المجید ایک اسکول کے صدر مدرس تھے ان کے حقیقی ماموں میں کچھ تجارت  
 پیشہ بھی ہیں کچھ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ ان کے ایک ماموں عبداللہ ریزرو بینک  
 آف انڈیا میں آفیسر تھے جو ریٹائر ہو چکے ہیں مشہور شاعر علی الدین نوید اور وقار  
 رباض ان کے خالہ زاد بھائی ہیں رشید جاوید میری حقیقی ماموں زاد بہن کے بیٹے  
 ہیں لیکن ہم اس طرح رہتے ہیں کہ رشتہ کی پاسداری برقرار رہتی ہے میں رشید جاوید  
 کو اپنے حقیقی بھائیوں کی طرح چاہتا ہوں رشید جاوید نے اپنی ذاتی شرافت  
 ایمانداری اور محنت نشاہ سے معاشرہ میں ادنیٰ مقام بنا لیا ہے بلکہ گھر کے مختلف  
 شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی خاص طور پر مشہور شخصیتیں رشید جاوید کے نام اور  
 کام سے واقف ہیں۔ رشید جاوید کو اردو زبان اور شعر و ادب سے کافی دلچسپی  
 ہے لیکن وہ اپنا زیادہ تر وقت خدمتِ خلق کے لیے دیتے ہیں۔ اہل غرض ان کے  
 پاس بلا تعین وقت آتے ہیں لاہران کا ہر مکہ مدد کرنے میں ضرورت مندوں کی  
 مشکلات میں کام آتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ رشید جاوید اپنی نجی زندگی سے بے نیاز ہیں  
 گھر کی تمام ذمہ داریوں کو بخوبی نبھاتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ رشید جاوید کو ان  
 کے گھر کے تمام لوگ بے حد چاہتے ہیں ان کی مصروفیات میں غفلتیں ہوتی ہیں بلکہ ضرورت  
 مندوں کا ہاتھ بٹانے میں صدر خاندان ہونے کی حیثیت سے تمام بھائیوں اور  
 بچہ اور خاندان کے لیے سامان بنے ہوئے ہیں۔ رشتوں کی پاسداری کرنے میں

اپنے بہترین سلوک سے لوگوں کے دل میں اپنا گھر بنا چکے ہیں۔ مختلط طریقہ زندگی کے قائل ہیں۔ باوقار زندگی گزار رہے ہیں معاشرے میں قدرومنزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ نہ تو کسی سے اختلاف رکھتے ہیں اور نہ کسی کو شکایت کا موقع دیتے ہیں۔ رشید جاوید کی تعلیم و فلاحی مصروفیات کے بارے میں جب امتیازی حیثیت سے ذکر آتا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ رشید جاوید تاجیات پیر سکون انداز میں زندگی گزاریں۔

# ڈاکٹر رزاق اشرف

(شاہ آباد کے نامور شاعر۔ مخلص انسان)

جہاں تک میری معلومات ہیں ان ہم برسوں میں شاہ آباد (گلبرگر) کے مشاعروں میں صاحبزادہ اشرفی کے بعد رزاق اشرف کا نام نمایاں ہے۔ ویسے شاہ آباد میں اور بھی شاعر ہیں لیکن ایک ایسا شاعر جو ادبی رسائل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے وہ رزاق اشرف ہیں۔ رزاق اشرف، صاحبزادہ اشرفی کے واحد شہرت یافتہ شاگرد ہیں چاہے آندھرا پردیش کے اضلاع ہوں کہ حیدرآباد دکن کے اضلاع۔ یوں تو تقریباً ہر ضلع میں کچھ شاعر ایسے رہے ہیں جو اپنے ضلع کا نام روشن کیے ہوئے ہیں جن کے نام سے ہی اُس مقام و علاقہ کی شہرت شعر و ادب کی دنیا میں موندی ہے صاحبزادہ اشرفی کا شمار تو اس تازہ کسفن میں تھا۔ رزاق اشرف ایک سینئر شاعر ہیں ان کے بھی نلامذہ ہوں گے جن سے میں واقف نہیں ہوں۔ رزاق اشرف کو میں تقریباً ۳۰ برس سے جانتا ہوں ان سے گلبرگر اور بیواکھان کے بہت سے مشاعروں میں ملاقات ہوئی رہی ہے

رزاق اشتر علافہ کرنا لگا کے تمامندہ شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ادبی  
 رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کا کلام  
 کلام کئی برسوں سے شائع ہو رہا ہے رزاق اشتر مختلف اصنافِ سخن میں  
 شہرہ کھاتے ہیں ان کے پاس غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں کا بھی بیڑا سرابہ ہے  
 ان کے ہاں موضوعاتی نقطہ بھی کافی تعداد میں ملتی ہیں نعتیہ کلام بھی ان کی  
 بیاضوں میں محفوظ ہے۔ رزاق اشتر شاعری کی نئی اصناف میں بھی طبع آزمائی  
 کرتے رہتے ہیں لیکن جو بات ان کی غزل میں ہے وہ دوسری اصنافِ سخن  
 میں نہیں ملتی۔ ان کا نعتیہ کلام پورے عقیدت و احترام کے ساتھ دل و دماغ کو  
 معطر کرتا رہتا ہے رسائل اشتر خاص طور پر حالاتِ حاضرہ سے تعلق رکھتے ہیں  
 جو پیر اشتر ہوتے ہیں رزاق اشتر جدید رنگ میں بھی شعر کہتے ہیں لیکن غزل  
 کی محنت میں وہ دیگر اصنافِ سخن سے بھی اس لیے رشتہ رکھتے ہیں کہ کسی نہ  
 کسی طرح شاعری کی متنوع وسعت کا اندازہ دلانے رہیں۔ رزاق اشتر  
 صاحبِ تخت میں کلام سناتے ہیں میں نے شاعروں میں ایسے تخت میں کلام  
 سناتے ہوئے ہی دیکھا ہے بہت ممکن ہے نئی محفلوں میں ترنم میں کلام  
 سناتے ہوں یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے انہیں گنگناتے ہوئے  
 بھی دیکھا ہے رزاق اشتر صاحب کا مطالعہ صرف کلاسیکی شعری ادب تک  
 محدود نہیں ہے طہری شاعری کے رموز و نکات سے بھی واقف ہیں اور اس  
 بات سے بھی واقف ہیں کہ شاعری میں کس طرح تجربے کیے جاتے ہیں  
 ان تجربات سے وہ خود بھی گزر رہے ہیں اس لیے کہ ان کے ہاں قطعاً

رباعیات کے ساتھ ساتھ ترائیلے اور دیگر اضاف میں بھی شعر ملتے ہیں لیکن ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اظہار صرف ان کاغزلوں اور نظمیں میں ہیونہ ہے سیاست میں ان کی بیشتر غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی شائع ہوئی ہیں ان کا کلام چونکہ قابل اعتناء رہتا تھا اس لیے سیاست میں مسلسل جگہ پاتا رہا۔ افسانہ کے بیشتر شاعروں کا کلام میری نظر سے گزرتا تھا ان شاعروں میں رزاق اشرف کا کلام بھی زیادہ متوجہ کرتا تھا مہتما خوشبو کا سفر میں ان کا کلام خصوصی موقف کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رزاق اشرف کا وطن شاہ آباد ہے ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۹ء سے شعر کہتے ہیں گزشتہ ۳۰ برسوں سے مہتماموں، روزناموں اور سہفتہ دار اخبارات میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ ۳۰ برسوں سے آل انڈیا ریڈیو کلبرگ سے ان کا کلام نشر ہو رہا ہے ان کا مجموعہ کلام نسیم شرف کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا اینٹاؤن کرناٹک اردو اکیڈمی۔ دوسرا مجموعہ کلام سفر و سنگ ۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آیا۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ نبی صفت ازیر اشاعت ہے نظموں کا بھی ایک مجموعہ زیر ترتیب ہے رزاق اشرف سے میری پہلی ملاقات غالباً ۳۵ برس پہلے حاشر شاہ آبادی نئی معرفت ہوئی تھی رزاق اشرف نہایت خلیق متوازن طبیعت کے نفیس انسان ہیں مجھ سے دیرینہ شاعرانہ مراسم ہیں۔ کچھ برس پہلے شاہ آباد میں شاندار میلانے پر شہریان شاہ آباد کی چائلز سے ”جشن رزاقی اشرف“ کا اہتمام کیا گیا تھا افسانہ کرناٹک خاص طور پر کلبرگ کے تقریباً تمام منتخب شاعروں نے شرکت کی تھی ادبی تقریریں مشاعرہ ان کے شاہان شان



پہلے پر منعقد ہوا تھا۔ حیدر آباد سے میرے علاوہ ریشی اختر مدعو تھے  
 جشن کی تقریب کے لئے ہم دونوں نے حیدر آباد کا ایک بہت باوقار  
 مشاعرہ چھوڑ لیا تھا چونکہ ہم نے شرکت کا وعدہ کیا تھا جشن کی شام راشٹری  
 بیلائم سکندر آباد میں زیر سرپرستی صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شکر دیال شرما  
 مشاعرہ منعقد ہوا تھا رزاق اشرف صاحب پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں  
 جن کی بمبائی شہرت بھی ان کی شاعری کی طرح پھیل چکی ہے وہ جتنے اچھے  
 شاعر ہیں اتنے ہی اچھے ڈاکٹر بھی ہیں کزنائک کے ایک مشہور تعلقہ بسوا نکلیا  
 میں حضرت سید احمد شاہ اعجازی کے عرس شریف کے سلسلے میں منعقدہ  
 نعتیہ مشاعرہ میں کئی برسوں سے ملاقات ہو رہی ہے طرعی نعتیہ مشاعرے  
 ہوتے ہیں ایک عرصے تک بلکہ تادم حیات صابر شاہ آبادی عرس شریف  
 تقاریب کے نعتیہ مشاعرہ میں شرکت کرنے لپے صابر شاہ آبادی میرے  
 بہت ہی اچھے شاعر دوست تھے اُس دور کے کلیر کے سینئر شاعروں  
 میں سرور مرزا، عبدالرحیم آرزو، ڈاکٹر راہی قریشی اور سلیمان خطیب کا  
 بڑا شہرہ تھا اُسی زمانے میں عطا کلیانوی اور رشید احمد رشید (بیدر)  
 اور حکیم جمالی بھی کافی مشہور شاعر رہے ہیں ان نام سے میرے گہرے  
 شاعرانہ روابط رہے ہیں۔ رزاق اشرف سلسلے کی دوسری کڑی ہیں اپنے دور  
 کے اچھے شاعرانہ ماحول کے اچھے شاعر ہیں رزاق اشرف شاعروں کی تہذیبی  
 روایات سے کاحفہ واقفیت رکھتے ہیں جن قلم کاروں نے اپنے فکر و فن کی  
 غیر معمولی خدمت انجام دی ہے انہیں نہ صرف حکومت وقت سے بلکہ شعرا و ادب

میں تعلق رکھنے والی شخصیتوں کی جانب سے بھی، ان کو آجانا چاہیے عام طور پر ادبی سرگرمیوں سے ایسے ہی لوگ وابستہ رہتے ہیں جنہیں زبان و ادب سے دلچسپی رہتی ہے۔ لیکن اس بات کا اطلاق تمام وابستگان زبان و ادب پر پوری طرح نہیں ہوتا۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ کچھ لوگ صرف اپنے نام و نمود کے لئے اعلیٰ سطح کی انجمنوں سے جڑے ہوئے رہتے ہیں جن کی وجہ سے باوقار ادبی انجمنوں کی کارکردگی پر حرق آجاتا ہے بہت ممکن ہو یہ بات اضلاع کی ادبی انجمنوں میں کم ہو لیکن شہر کی انجمنوں میں متضاد ذہن و فکر رکھنے والے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے پھر بھی کاروانِ اردو رواں دواں ہے اوسط درجہ کا قدر رکھنے والے شاعروں کا بھی قدا و شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے ہر شاعر یا فن کار کو جتنی بھی شہرت ملتی ہے وہ ذاتی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ وسائل کی بہرہ بازیوں سے بھی اور زور قلم کی مرہونِ منت رہتی ہے ہمارے نقادوں اور مبصرین نے بعض ایسے قلم کاروں کو بھی منفرد کا پیر لایا ہے جن کی شعری و ادبی خدمات ادب کا ایک اہم حصہ بن چکی ہیں شعروادب کے معاملات میں اچھے ماحول کو بہت زیادہ اہمیت ہے جو شاعر و ادیب محفول حلقہ دانشوران کا حصہ پتے رہتے ہیں وہ ارتقائی منازل طے کرتے چلے جاتے ہیں وہ لوگ جو شعروادب کی سرگرمیوں سے وابستہ رہتے ہیں وہ بہ آسانی ایسے قلم کاروں کی تائید کرتے ہیں جن کا مستقبل روشن ہے اور جو اپنے وقت کے اہم قلم کار بھی جاتے ہیں۔ ملک کے ہر خطہ میں بہت سے ایسے شاعر و ادیب موجود ہیں جو توجہ چاہتے ہیں اور بہت سے ایسے شاعر و ادیب بھی موجود

ہیں جو اردو معاشرہ کی عدم توجہ کا شکار ہو چکے ہیں ویسے بھی موقوف اہل قلم حضرات ادب میں تو رُو جوڑ کی سیاست سے بہت دور رہتے ہیں اور جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کم نامی کی جاڑ میں لیٹے ہوئے رہتے ہیں رزاق اشرف شری و ادبی دنیا میں احساسِ برتری رکھنے والے شاعر ہیں نہ ہی احساسِ کمتری میں مبتلا رہنے والے شاعر ہیں وہ متوازن طرزِ زندگی اور میانہ روی کو اپنی کامیاب زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں رزاق اشرف صاحب ایک ایسے شاعر ہیں جن کی مثال ان عظیموں کو سیر کھا جائے ضروری تھا میں نے اپنی محدود معلومات کے باوجود جن باتوں کو ضبطِ ضمیر میں لایا ہے وہ قارئین کی معلومات میں یقیناً اضافہ کا باعث ہوگی۔ ایک اچھے شاعر، ایک اچھے دور کے بارے میں لکھنے سے ایک گونہ مسرت محسوس ہوتی ہے۔ میں رزاق اشرف کے فن اور شخصیت پر خامہ فرسائی کے دوران بہت زیادہ مسرت محسوس کرتا رہا۔ یقیناً ڈاکٹر رزاق اشرف کا نام صاحبِ شاہ آبادی کے ساتھ نہ صرف شاہ آباد بلکہ سارے گلبرگ کے لئے باعثِ افتخار ہے۔

# یوسف حلیہ تنویر

(تنویر فکر و خیال، ذہین و فطین استاد و قلم کار)

جب کبھی بھی منہ زور آندھیاں چلتی ہیں تو کائنات کا ذرہ ذرہ دھلنے لگتا ہے۔ سیلابِ رواں کی زد میں سب کچھ بہہ جاتا ہے اور ایسا بہت کچھ ہو جاتا ہے کہ جس کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ کائنات کا چکر ہی کچھ اس طرح چلتا رہتا ہے کہ جہاں شہنائیاں بجتی ہیں وہاں ماتم بھی ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ غم زدہ ماحول کے اندر سے پُرمسرت لمحوں کی شروعات بھی ہو جاتی ہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس شخص کی زندگی میں کب اور کس وقت کیا ہونے والا ہے لیکن مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو کل تک فرس نشین تھے آج مسند نشین بن گئے ہیں اور جو لوگ آسمانوں میں اڑا کرتے تھے وہ زمین پر بکھرے پڑے ہیں۔ وہی شخص ایک کامیاب انسان کہلاتا ہے جو ہر قسم کے حالات کا پورے حوصلہ و ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتا رہتا ہے نتیجتاً

ہوئے صحراؤں میں رہ کر بھی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کا منتہی رہتا ہے  
 اپنی زندگی کے خدوخال کو سنوارنے کا ہنر جاننے والے لوگ روشن مستقبل  
 کے لئے بلا تکان مصروفِ عمل رہتے ہیں ناگفتہ بہ حالات اور آگ کے  
 دریا سے گزرنے والے باہمت لوگوں کی بات یہ کچھ اور بیوقوفانہ ہے۔ لیکن  
 یہ توقع رکھنا کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ گلِ فشاں فضاؤں کے ہم رکاب  
 رہا کرتا ہے، صحیح نہیں ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ ایسے مل ہی جاتے ہیں جو اپنی  
 زندگی کے ہر لمحہ کو خوش آئند، خوشگوار اور بار آور بنا ہی لیتے ہیں۔ ان  
 کیفیات کے آئینہ دار جلیل تنویر بھی ہیں جن کی ابتدائی زندگی دھوپ چھاؤں  
 کے درمیان گزرتی رہی۔ جہاں ملک کی تقسیم کے ہولناک فسادات نے  
 معصوم بچے گناہ لوگوں کے ساتھ پہچان سلوک کیا ہے وہیں حیدر آباد  
 کے پولیس ایکشن کی تباہ کاریوں نے بے شمار بے خطا مسلمانوں کو تباہ و برباد  
 کیا۔ جیل تنویر اور ان کے اہل خاندان بھی پولیس ایکشن کے جابرانہ مظالم نے  
 تشدد کا شکار رہے۔ ان کے والد محترم محمد قاسم شہید ہوئے۔ اُس وقت  
 کے نہایت ہی فرقہ پرست، جابر مسلم دشمن وزیر داخلہ سردار دلہ بھائی پٹیل  
 نے حیدر آباد کی تہذیبی وحدت کو ختم کرنے کی غرض سے حیدر آباد پر پولیس  
 ایکشن کروایا تھا۔ جو پولیس ایکشن انہیں اصل میں ملٹری ایکشن تھا۔  
 سردار دلہ بھائی پٹیل نے جبراً حیدر آباد دکن کو انڈین یونین میں ضم  
 کرنے کے لیے پولیس ایکشن کروایا تھا۔ جس کا آغاز ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ہوا  
 ۷ ستمبر کو ختم ہوا۔ وائی ریاست حیدر آباد دکن نواب میر عثمان علی خاں نے

۱۷ اربتبر کو اپنی ریاست بٹری حکومت کے حوالے کی۔

جلیل تنویر ۳۱ مارچ ۱۹۴۹ء کو تعلقہ ہمنہ آباد (ضلع  
بیدہ) میں پیدا ہوئے جو ریاستوں کی تقسیم سے پہلے حیدرآباد دکن کا ایک  
حصہ تھا ان کے والد محترم محمد قاسم صاحب تجارت پیشہ شریف آدمی  
تھے نہایت شریف الطبع، بامروت ہمدرد انسان تھے۔ جلیل تنویر  
رشتے میں میرے بھائی ہوتے ہیں ان کی والدہ میرے حقیقی ماموں عبدالعزیز  
صدر مدرس کی دوسری بیٹی تھیں۔ بن بچپن میں اپنی بہن سے ملنے کے لیے  
ان کے گھر محلہ نورخاں اکھاڑ لہا یا کرنا تھا جہاں کا مکان مسجد نورخاں اکھاڑے  
کی مسجد سے متصل تھا۔ رمضان اور بقرہ کی عمار اکھاڑا عید گاہ میں ہوتی تھی  
نماز عید کے بعد اپنے گھر محلہ کفر تھڑ جاتے سے پہلے محلہ نورخاں بازار  
سے گزرتے ہوئے اپنی بہن کو عید کا سلام کرنے کے لیے جایا کرتا تھا ان  
سے ملنے کے بعد محلہ ٹوپنگلی میں اپنی حقیقی بہن سے عید ملنے کے لیے جاتا۔ یہ  
دونوں محلے قریب قریب تھے ان دونوں محلوں کے درمیان صرف ایک  
فیصل جاتا تھی۔ جلیل تنویر کی والدہ میری والدہ کی چھٹی بھانجی تھیں چھ  
یاد ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ماموں کے ہاں موضع علی کھٹیر  
(ضلع بیدہ) دوپیل کی بندھی میں بیٹھ کر گیا تھا جہاں وہ ایک مدرسہ  
میں استاد تھے چھ اپنے بچپن کی بہنوں کی محبت یاد ہے۔  
علی الدین نوید اور رفیق ریاض جلیل تنویر کی بڑی قالہ کے بیٹے  
ہیں۔ جلیل تنویر کی تعلیم ان کے دادا کی زیر نگرانی ہوئی۔ ان کی وفات

کے بعد ان کے بڑے بھائی رشید جاوید نے ان کا سرپرستی کی۔ جلیل تنویر کے ایک اور بڑے بھائی عبدالقدیر ہیں جو شیعہ روڈ ٹرانسپورٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جلیل تنویر کے اہل خاندان نے ہمایا د سے گلبرگہ منتقل ہونے کے بعد گلبرگہ کو وطن ثانی بنالیا۔ گلبرگہ میں تعلیم جاری رکھی کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ سے ۱۹۷۳ء میں اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد شوگر میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۰ء میں گورنمنٹ کالج گلبرگہ میں اردو کے پکچر ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں پروفیسر سید محمد کی ادبی خدمات پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ کر ڈگری کی ڈاکٹر قیوم صادق ان کے گائیڈ تھے۔ جلیل تنویر کو گلبرگہ یونیورسٹی نے حال ہی میں ریسرچ گائیڈ مقرر کیا ہے۔ ان کے زیر نگرانی تین طلباء پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ رہے ہیں۔ جلیل تنویر افسانہ نگار بھی ہیں اور شاعر بھی۔ وہ اپنے افسانہ نگاری کے ابتدائی دور میں ترقی پسند افسانہ نگاروں کرشن چندر، میدی اور منٹو وینیزہ سے بے حد متاثر رہے۔ کالج کی طالبہ کے دور سے ہی اچھے افسانہ نگاری کا شوق تھا ان کے افسانوں کا مجموعہ ”حصار“ ۱۹۸۳ء میں زیر اہتمام ادارہ شعر و حکمت حیدر آباد شائع ہوا۔ ”حصار“ کو اردو اکیڈمی کرناٹک نے انعام سے نوازا۔ جلیل تنویر اپنی بہترین تدریسی صلاحیتوں کی وجہ سے طلباء میں کافی مشہور ہیں۔ گلبرگہ اور ملک کے بعض مقامات پر ہونے والے سیمیناروں، سیمینار اور ادبی جلسوں میں حصہ لیا کرتے ہیں۔ ان کے ادبی مضامین اخبارات اور

ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ "خوشبو کا سفر" میں بھی ان کے تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ جلیل تنویر کو مشاعروں میں کلام سنائے سے کوئی دلچسپی لگتی ہے شاید ہی کسی شاعرہ میں کلام سنایا ہو ان کا زیادہ تر وقت علمی، ادبی، تحقیقی و تنقیدی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا رہتا ہے۔ میرے بھانجیوں میں علی الدین نوید اور وقار ریاض کی طرح جلیل تنویر بھی شعر و ادب کی محفلوں میں شہرت رکھتے ہیں۔ — میں ان کے روشن مستقبل کے لئے دعاگو ہوں۔



# تنویر واحدی

(میر تقی علی شاعر بہترین دوست - اچھا انسان)

’جن شاعروں کے ساتھ میں نے بیسیوں شاعروں سے  
 پڑھے ہیں ان کے عادات و اطوار، ان کے انداز گفتگو، ان کے شاعرانہ رویوں  
 اور ان کی شاعرانہ فکر و خیال سے کاحقہ واقفیت رکھنا کوئی نئی بات نہیں  
 ہے البتہ یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کی معاشرہ میں کیا قدر و  
 قیمت ہے، کس طرح معاشرہ ان کی پذیرائی کرتا ہے؟ کس طرح ان کی رشتوں  
 کے پس منظر میں ان کی اہمیت کیا ہے؟ ویسے بھی مراکم کی ایک طویل مسافت  
 طے کرنے کے بعد کچھ لوگ اس طرح ظاہر ہو جاتے ہیں کہ ان کا وجود ایک کرشمہ  
 کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے یا تو ان کی بے شمار خوبیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں  
 یا بہت سی خامیاں منظر عام پر آ جاتی ہیں اور غیر متوقع طور پر یہ سب  
 کچھ ہو جاتا ہے — ایک اچھا خاصا انسان، اجالوں کا سفر طے کرتے ہوئے  
 تاریک راہوں پر چل پڑتا ہے، صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھے میڑھے راستوں

سے گزرنے لگ جاتا ہے ایسی کیفیت اسی وقت طاری ہو جاتی ہے جب مستقل مزاجی میں یا تو تنوع پیدا ہو جاتا ہے یا متزلزل خیالات اپنے پاؤں پھیلانے لگتے ہیں۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف اجالوں اور روشنی کی کرم فرمایوں سے ہی انسانی رشتے سنورنے رہتے ہیں ہر وہ شخص جو اجالوں اور روشنی کی لامیت سے واقف ہے اس کی بعض حرکات و سکنات عادات و اطوار سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زندگی دھوپ چھاؤں سے عبارت ہے اجالوں اور اندھیروں کی ایسی آمیزش سے ہی انسان اپنی شخصیت کو بہتر انداز سے سنوارتا ہے۔ اجالے اندھیرے اس کی زندگی کے خدوخال میں رنگ بھرتے ہیں اندھیروں اور اجالوں کے امتزاج سے یہ مطلب نہیں نکالا جانا چاہیے کہ نیکیوں کے ساتھ بُرائیوں کو بھی جزو زندگی سمجھا جائے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ راحتوں اور آسائشوں میں زندگی گزارنے والے لوگ، ایک مخصوص قسم کے ماحول میں گھرے رہتے ہیں ہر شے تغیر و تبدل سے گزرتی رہتی ہے آسائشوں کے ساتھ مشکلات سے بھی گزرنا شخصیت کی نشوونما کے لیے بے حد ضروری ہے کسی شخص سے پہلی یا دوسری ملاقات کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ شخص سراپا خلوص، نہایت پاک و صاف ذہن و فکر کا مالک ہے مرام و روابط کے آئینہ خانوں میں ایک دوسرے کی شخصیت کو جاننے اور پہچاننے کے مواقع ملتے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک اجنبی شخص جو دوسنی کے دائرہ میں ہے وہ کتنے عرصے تک اپنی رفاقت کو باقی رکھے گا کچھ لوگ پہلی ملاقات میں ہی کچھ ایسا تاثر چھوڑ جاتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے

کہ اس شخص سے برسوں سے ملاقات ہے اس منقضا دہمیدی خیالات کی روشنی میں، مجھے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں رہا کہ تنویر واحدی کس ذمہ میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ میں نے تنویر واحدی کے مختلف رنگ دیکھے ہیں لیکن ان تمام رنگوں میں مجھے سب سے گہرا رنگ بے لوث دوستی کا نظر آیا۔ تنویر واحدی نے دشمنی تو کی ہی نہیں۔ خفا و جفا کے مرحلوں سے بھی گزرے نہیں لیکن ایک بات بے داغ آئینہ کی طرح روشن ہے کہ میں نے تنویر واحدی کو ہر ملاقات میں کھلے دل و دماغ اور دوستی کے قابل انسان پایا۔ تنویر واحدی نظام آباد میں رہتے ہیں وہی نظام آباد جو ہر دور میں شعری و ادبی سرگرمیوں کے لیے سرگرم عمل رہا ہے وہی نظام آباد جہاں کے لوگ وارفٹگی، دبستگی، شائستگی اور بے لوث رشتوں کے آئینہ دار ہیں۔ تنویر واحدی کا اصل نام سید عمر علی ہے ادبی نام تنویر واحدی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۴۴ء کو نظام آباد میں پیدا ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۶ء میں پی یو سی کامیاب کیا۔ محکمہ صحت و طبابت سے وابستہ ہیں نظام آباد کے ایک قدیم ادبی انجمن دائرہ ادب اور ادارہ ادب کے معتمد ہیں تاحال ان کے دو شعری مجموعے بیاض فکر (۱۹۸۲ء) اور لفظوں کی آگ (۱۹۹۸ء) شائع ہو چکے ہیں۔ تنویر واحدی سے میری شاعرانہ دوستی کی ایک طویل مدت ہے زائد ازاں ۳۵ برس سے ہم میں دوستی ہے اور ایسی دوستی جس میں جذبہ خلوص و مروت ہے ایسی دوستی جس میں انسانی رشتوں کے اقدار نمایاں ہیں۔ تنویر واحدی انتہائی مخلص انسان ہیں یقیناً وہ میری طرح اپنے تمام دوستوں سے وابہ و ابھار والی رکھتے ہوں گے۔ نظام آباد

میرے لیے بنیامین نہیں ہے نظام آباد سے میں تقریباً ۴۰ برس سے واقف  
ہوں شاعروں کی وساطت سے۔ وہاں کے لوگوں کی شائستہ طرزِ حیات  
سے بھی واقف ہوں۔ نظام آباد کے شاعروں میں میں لگ بھگ ۴۰ برسوں  
سے شرکت کر رہا ہوں۔ میں نے نظام آباد میں بے شمار شاعرے پڑھے ہیں  
نظام آباد کے ایک تعلقہ بودھن میں بھی کئی شاعروں میں شرکت کر چکا ہوں  
میرے چالیس سالہ دورِ شاعری میں نظام آباد کے شاعروں میں صرف تین  
شاعروں سے مجھے زیادہ وابستگی رہی۔ وہ تین نام یہ ہیں۔ مرزا وحید بیگ  
جمیل نظام آبادی اور تنویر واحدی۔ تنویر واحدی کو میں ۴۰ برسوں سے کلام  
سناتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا معترف ہوں۔  
ان کی شاعرانہ قدر و قیمت کو محسوس کرتا ہوں۔ ان کی شائستگی مزاج اور پاک  
طینت سے متاثر ہوں۔ تنویر واحدی چلے جاتے والی شخصیت ہیں  
بقیہ لوگوں نے اُن سے مراحم رکھنے میں لگے بھی تامل نہیں کیا ہوگا اس لیے کہ  
ان کا وجود دوسروں کے لیے مضر رساں نہیں ہے بلکہ ان کی دوستی سے دل و  
دماغ کو تروتازگی اور فرحت حاصل ہوتی رہتی ہے ان تینوں شاعروں  
میں بعض خصوصیات مشترکہ بھی ہیں بعض الگ الگ بھی۔ اس کے باوجود  
یہ تینوں شخصیتوں نے مجھے اپنے خلوص میں محصور رکھا۔ تنویر واحدی کا شاعرانہ  
لب و لہجہ فارسی و سماع کو پوری طرح لپیٹے دامن میں سمیٹ لیتا ہے نہایت  
عہدہ شعر کہنے ہیں ان کی شاعری کا رشتہ کلاسیکی شاعری سے بھی برقرار  
ہے۔ ان ۴۰ برسوں میں مشغور سخن کے میدان میں نئے نئے لوگ آئے ہیں

اور اپنی اپنی صلاحیت، قابلیت و حیثیت کے موافق اپنے شاعرانہ وجود کا احساس دلاتے رہے لیکن بہت سے شاعر نمایاں نہ ہو سکے۔ تنویر واحد یار باش، دوستی کے قابل انسان ہیں ان سے دوستانہ و شاعرانہ مراسم برقرار رکھنے ہوئے تھے بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے تنویر واحدی کی جانتی سہی ان کی شخصیت کے تعین میں معاون ثابت ہو چکی ہے 'خجف' دہلا نیلا شخص اپنے دوستوں میں الگ پہچانا جاتا ہے اپنے درمیانی فذ کی وجہ سے ہتھیں بلکہ اپنی اعلیٰ دماغی طاقت کی وجہ سے، اپنی بلندی فکر و خیال کی وجہ سے اپنے روشن خیالات کی وجہ سے، آئینہ مثال دل گذاختہ کی وجہ سے تنویر واحدی کی شاعری سننے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کمر ورجامت کے باوجود بھاری جگر کم آدایں شہر ساتے ہیں توساری محفل منوجہ ہو جاتی ہے جہاں وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں وہیں بہترین ناظم مشعرہ بھی۔ ان کی نظمیت میں میں نے کئی مشاعرے پڑھے ہیں دوران مشعرہ اپنی اعلیٰ درجہ کی نظمیت کا عمدہ مظاہرہ کرتے ہیں جو محفل مشعرہ کو جانے کے لیے حمد و معاون ثابت ہوتا ہے جدید لب و لہجہ کا شاعر کہہ کر میں انہیں شاعری کے ایک ٹھنوس زمزم میں محصور کرنا نہیں چاہتا۔ ان کی شاعری تو بہن ہوئی ندی کی طرح ہے جو تمام اذہان کو سیراب کرتی ہوئی چلی جاتی ہے کلاسیکی شعری ادب سے رشتہ میونے کی وجہ سے وہ زبان و بیان اور شاعری کے رموز و نکات سے واقفیت کا احساس دلاتے ہیں ان کے اشعار فنی خوبیوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی شاعرانہ زندگی میں بے شمار ایسے شاعروں کو دیکھا ہے

جو صرف شاعروں کی حد تک ہی اپنی پہچان بنا سکے۔ تنویر اہدی کے علاوہ اضلاع کے شاعروں میں ”گوئیچ“ کے مدیر جمیل نظام آبادی کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ جن کے رسالے کے ذریعہ بہت سے اضلاع کے شاعروں کے بارے میں ادبی دنیا کم کم سہی واقفیت رکھتی ہے خاص طور پر حیدرآباد دکن کے اہل ذوق حضرات اضلاع کے شاعروں اور ان کے کلام سے واقف ہیں جمیل نظام آبادی اور تنویر اہدی بہت اچھے دوست ہیں دونوں نے ایک ساتھ اپنے شعرا نہ سفر کو جاری رکھا۔ ٹھہرے حد خوشی ہے کہ یہ دونوں شاعر دوسرے کچھ اور نظام آباد کے شاعروں کے ساتھ ساتھ نظام آباد کی ادبی و شعری فضا کو بانی رکھنے میں مصروف رہا کرتے ہیں ٹھہرے تنویر اہدی کی شخصیت اور ان کے شعرا نہ رہتے ہیں عجیب و الہانہ وابستگی ہے میری یہ خواہش ہے کہ میرا یہ شاعر دوست شعری و ادبی حلقوں میں خصوصیت کے ساتھ اپنے شعرا نہ وجود کو جان لانا اور اپنی شعرا نہ عظمتوں کے نسل کو جاری رکھے۔ موسم بہار کے سرسبز و شاداب عناینوں کی طرح۔

# عقیل اسعد

(جدید لب و لہجے کے پسندیدہ شاعر)

میں نے اپنی زندگی کے نامداز بہ سالہارہ بی زندگی میں پسندیدہ  
شاعروں کو اُن کے فن کے آئینے میں دیکھا ہے اُن کی شاعرانہ قدر و قیمت  
کو پرکھا ہے اُن کے شاعرانہ رویوں کا جائزہ لیا ہے اُن کے اسلوب اور  
اُن کے لب و لہجے کا تجزیہ کیا ہے کچھ شاعروں کا کلام سرسری طور پر پڑھا  
رہا تو کچھ شاعروں کے کلام کا بہ غماز مطالعہ کیا ہے۔ دوران مطالعہ بعض شاعروں  
کے کلام نے مجھے اس قدر متوجہ کیا کہ میں اُن کے کلام کے روح کی گہرائیوں تک پہنچ  
چکا ہوں۔ جب کوئی شاعر اپنی خلفانہ صلاحیتوں کو فخر میں و قلم کی زیرت  
بناتا ہے تو باذوق، صاحبِ ہنر و ادراک شخص کیلئے یہ ضروری  
ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے فن کا صدق دل کے ساتھ اعتراف کرے۔ خود میں بھی  
تمام اہل قلم کی کتابوں کو پوری طرح تہیں پڑھتا۔ اپنے ذوق کے مطابق کچھ منتخب  
تخلیقات بھی میرے زیر مطالعہ رہتی ہیں مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس شاعری کو سرسری

طور پر پڑھنا چاہیے اور شاعروں نے یہ غور و خوض کی ضرورت تسلیم ہی کوئی بھی تخلیق کیوں نہ ہو وہ اپنے خالق کی نظر میں خوبصورت اور آئینہ مثال ہوتی ہے لیکن جب کوئی مبصر یا تجزیہ نگار کسی خالق کی پسندیدہ تخلیقات کا جائزہ لیتا ہے تو خالق کی اور قاری کی پسند کا ایک الگ الگ پیمانہ رہتا ہے خالق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ فن تخلیق کرے اس کو اس بات کی فکر نہیں رہتی کہ اس کے فن کے ساتھ مبصرین و نقاد کیا سلوک کرتے ہیں اور اس کے فن کے قاری کس انداز سے پزیرائی کرتے ہیں۔ یہ رنجھنے میں آیا ہے کہ اعلیٰ درجہ کا یا طرف تخلیق کار کبھی اس فکر میں مبتلا نہیں رہتا ہے کہ اس کے فن کی شعروادب میں کیا قیمت لگائی جا رہی ہے ایسے ہی بے نیاز شاعروں میں میں نے عقیل اسعد کو پایا ہے عقیل اسعد کی شاعری ان کے ہم عصر تمام شاعروں کے مقابلے میں اپنے ایک مخصوص لب و لہجہ کے سبب الگ پہچانی جاتی ہے اور ان کا ہر شعر داد و تحسین حاصل کرتا رہتا ہے عقیل اسعد نرمل کے سینیر اور سب سے زیادہ شہرت رکھنے والے شاعر ہیں۔ میں انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے اس وقت سے جانتا ہوں جس زمانے میں وہ نرمل میں ہوتے والے مشاعروں کے سلسلے میں کلید کا رول ادا کرتے تھے یہی کوئی ۳۴ برس پہلے کی بات ہے (میں نے عقیل اسعد کو نرمل کے ایک یادگار مشاعرہ میں سنا تھا مشاعرہ کی صدارت پی نرسا راہڈی سانی ریاسنی وزیر کر رہے تھے سابق صدر نشین قانون ساز کونسل سید مکھڑ شاہ مہمان خصوصی تھے مشاعرہ گاہ شعروادب شاعری سے دلچسپی رکھنے والے مہمان اردو سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ مشاعرہ گاہ کے باہر بھی کافی لوگ کھڑے ہیں اور



مختلف شاعروں کے کلام سے محفوظ ہو رہے ہیں اس شاعرہ میں عقیل اسعد کے والد محترم ابو محمد کے مجموعہ کلام ”سوز و ساز“ کی رسم اجراء انجام پائی تھی۔ عقیل اسعد نے ایک جواں سال شاعر کی حیثیت سے مجھے متاثر کیا تھا ان کے کلام پڑھنے کا انداز اور ان کا شاعرانہ لب و لہجہ مجھے دلچسپ بنا دیا۔ انہوں نے اپنی غزل نخت میں سنائی تھی آج بھی وہ نخت میں ہی کلام سناتے ہیں عقیل اسعد کو شاعری ورثے میں ملی ہے وہ ایک ہفت روزہ ”میزانِ نظر“ کے ایڈیٹر بھی ہیں وہ اضلاع کے شعروں میں بھی بہت کم شرکت کرتے ہیں اضلاع کے محضر شاعروں میں جدید رنگ کے شاعروں میں اقبال شنیدائی، جمیل نظام آبادی، محمود تنویر واحدی، جانی وجودی جیسے باصلاحیت شاعر موجود ہیں ان تمام شاعروں میں عقیل اسعد بھی اپنے مخصوص شاعرانہ لب و لہجے کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ عقیل اسعد شاعروں میں ہمیشہ منتخب شعر سناتے ہیں ان کے سنائے کا انداز اس قدر پیراشر ہوتا ہے کہ ساری محفل متوجہ ہو جاتی ہے وہ شاعروں کے کامیاب شاعر ہیں عقیل اسعد نظام آباد کے ایسے شعروں میں جو نظام آباد کے نامور شاعر جمیل نظام آبادی کے زیر انتظام ہوتے ہیں لازماً شرکت کرتے ہیں اضلاع کے کچھ اور شعروں میں بھی ہیں انہیں دیکھ لے۔ میں نے انھیں جدید آباد کے بعض اہم شعروں میں مدعو کیا اور مدعو کرتے رہتا ہوں اس لیے کہ عقیل اسعد میرے ہی نہیں جدید آباد کے شعری و ادبی حلقوں کے پسندیدہ شاعر ہیں عقیل اسعد کی شانِ امرانہ عظمت کے اعتراف میں جدید آباد کی ایک فعال انجمن ”ساتِ نظر“ کی جانب سے ایک اہم ادبی تقریب مستعد ہوئی تھی جس میں انہوں نے اپنی منتخب

غزلیں سُنا کر ساری محفل کو اپنے احساسات و جذبات میں شامل کیا تھا تقریباً ۳۲ برس سے شعر کہہ رہے ہیں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے پاس کتنے مجموعوں کا کلام موجود ہو گا لیکن یہ جان کر عجیب خوشی ہوئی کہ ان کے منتخب کلام کا مجموعہ بہت جلد شائع ہونے والا ہے جبکہ شاعر یا ادیب کی کتاب شائع ہوتی ہے تو عجیب پریشانی ہوتی ہے میری نظر میں بعض اعلیٰ درجہ کے شاعر و ادیب ہیں جو اپنی نساہلی اور اپنی استادِ طبع کی وجہ سے اپنی کتابوں کی اشاعت کے لیے دلچسپی نہیں لیتے۔ لیکن یہ بات قابلِ طمانیت ہے کہ حیدرآباد اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع حیدرآباد دکن کے سببیتتر قلم کاروں کی کتابیں شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

عقیل اسعد نرمل کی اردو زبان و ادب سے والہانہ دلچسپی رکھنے والی شخصیت سابق ریاستی وزیر جناب پی نرسارائی سے کافی قربت رکھتے ہیں نرسارائی صاحب عقیل اسعد کو بہت چاہتے ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے وطن نرمل میں ایک ایسا شاعر بھی موجود ہے جو نرمل کا نام شعر و ادب کی دنیا میں روشن کر رہا ہے خود نرسارائی صاحب نے مجھ سے ایک شخصی ملاقات میں اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا تھا اقیق عقیل اسعد کی شاعرانہ قدر و قیمت کا اعتراف ہے عقیل اسعد کے والد محترم ابو سعید سید بھی نرسارائی صاحب کے اچھے دوست رہے ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اضلاع کے شاعر و ادیبیں جمیل نظام آبادی، عقیل اسعد کے بہت ہی قریبی دوست ہیں اور یہ بات میں برسوں سے محسوس کر رہا ہوں مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ

ان کے دل کے ایک گوشے میں تنویر واحدی کے لیے ایک مخصوص جگہ ہے۔ عقیل اسعد بزمی شاعر ہیں جو لوگ خالص شاعر ہوتے ہیں ان کی زندگی کے طور و طریق عام لوگوں سے کچھ ہٹ کر رہا کرتے ہیں عقیل اسعد چونکہ ایک فطری شاعر ہیں اس لیے فن سے محبت رکھتے ہیں، وہ انسانی رشتوں کے قدر شناس ہیں بامروت دہم درد انسان ہیں طرح دار اور سیر وفار شخصیت کے حامل ہیں، ایما نثار اور دوستی کے قابل انسان ہیں دوستی میں سب کچھ قربان کرنے والی شخصیت ہیں، ہمدرد اور پاکردار انسان ہیں۔ عقیل اسعد سے جب کبھی میری ملاقات رہی ہیں تو انہیں نہایت پُر خلوص، خوش مزاج، خوش اطوار خوش گفتار اور شاعرانہ مزاج کا آئینہ دار عارف نگو اور سیدھا سادا دھنی کے قابل انسان پایا ہے عقیل اسعد سے میں بہت کم مشاعروں میں ملتا رہا ہوں البتہ نرمل کے مشاعروں کے علاوہ نظام آباد کے مشاعروں میں اُن سے ملاقات ہو جا قلم ہے۔ میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی ہے کہ وہ مجھے ایک با اعتماد ساتھ سمجھتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ نرمل کے مشاعروں میں جید رہا کے شعراء کے انتخاب اور انہیں مدعو کرنے کی مجھے کھینچا ذمہ داری سونپتے ہیں۔ انہیں یقین رہتا ہے کہ میں وعدہ کا پابند ہوں اور معیاری و نمائندہ مشاعروں کے ساتھ مشاعرہ میں شریک رہتا ہوں۔ عقیل اسعد بحیثیت جرنل سکریٹری شمع ادب جید رہا کے بعض اہم مشاعروں کو سالانہ مشاعرہ میں تہنیت پیش کیا جن میں قابل ذکر ڈاکٹر علی احمد جلیلی، رئیس اختر، عمر بزمی بھارتی، اختر عوی شامل ہیں ایک سالانہ مشاعرہ میں مجھے بھی انہوں نے عزت بخشی تھی۔

نمرمل کے مشاعروں کے داعیان میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم حضرات بھی  
 دلچسپی لیتے ہیں خاص طور پر وہاں کے مسیحی قائدین کا انھیں تعاون حاصل رہتا  
 ہے شعراء کے قیام و طعام، ان کی آمد و رفت اور ان کے نذرانہ کا خاص خیال  
 رکھا جاتا ہے عقیل اسعد نمرمل کی بااثر شخصیت ہیں اچھے خاندان کے اچھے  
 فرد ہیں۔ ہر انسان کی زندگی مختلف خانوں میں بٹی ہوئی رہتی ہے لیکن  
 ایک کامیاب انسان اپنی زندگی کے لیے ایسا ہی راستہ منتخب کرتا ہے جس پر  
 سے وہ یہ آسانی گزار رہا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم  
 کو تویار کی باری سے غرض ہے۔ یہ بات غلط نہیں ہے لیکن وہی دوست ایک  
 اچھا دوست سمجھا جاتا ہے جو اپنے دوست کی بھلائی اور اس کی بہتری کے لیے  
 ہمیشہ تیار رہے۔ عقیل اسعد کے یقیناً بہت سے احباب ایسے بھی ہوں گے  
 جو ان کی بہترین زندگی کے لیے ان کا ساتھ دیتے ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ  
 عقیل اسعد مجھے شاعر کی حیثیت سے نہیں ایک اعلیٰ مرتبت انسان کی حیثیت  
 سے ہی پسند ہیں جیسا کہ مجھے معلوم ہے وہ نمرمل کی سماجی زندگی سے بہت قریب  
 ہیں بلا تخصیص مذہب و ملت تمام انسانوں کی مدد کرتے ہیں ان کے اچھے  
 کاموں میں شریک رہتے ہیں کبھی روزنامہ سبھارت اور ماہنامہ گوشتی میں  
 اور خوشیو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اضلاع کے وہ شاعر  
 جنہوں نے ۳۰ تا ۴۰ برس قبل اپنی شاعرانہ شناخت بنا لی ہے ان میں ایک اہم  
 نام عقیل اسعد کا بھی ہے مجھے یہ شخص اور یہ شاعر بے حد عزیز ہے میری  
 خواہش ہے کہ وہ شعردادیک دنیا میں اپنے وجود کا بھرپور احساس دلانے لگیں۔

# وقارِ ریاض

## روشن خیال - باشعور شاعر

ادبِ عالیہ کی پہچان بن کر جب کوئی باصلاحیت، ہونہار شاعر  
 پہنچتا ہے شعر و ادب کو جھکاتے ہوئے سارے ادبی ماحول کو سمیٹ کر دیتا  
 ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا شاعر اپنی پوری توانائی کے ساتھ اونچی  
 اڑان بھرنے ہوئے دانشورانِ شعر و ادب کی محفل میں جلوہ گر ہے ایسے  
 ہی شاعر جب نکل افشانی، نشتر زنی اور وارداتِ قلبی کے اظہار کا  
 ذریعہ بن جاتے ہیں تو معاشرے کی بنی بگڑتی ساری نقوسیریں شدت کے  
 ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔ اپنی شاعرانہ پہچان کے  
 لیے ایک شاعر معاشرے کے خدوخال میں اس طرح رنگ بھرتا ہے کہ اس  
 کی تخلیقات ہر اُس شخص کی ذات کا ایک حصہ بن جاتی ہیں جو نرم و گرم  
 حالات سے گذرتا رہتا ہے وقت کی تیز روی ہر اُس تخلیق کار کو جتنی  
 ہے جس کا فن وارداتِ قلبی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

فکر و خیال کی بلندیوں کو چھونے والے آئینہ صفت، فطرت شناس، شہساز  
نواز یا شعور شاعروں میں ایک شگفتہ اور اہم نام وقار ریاض کا بھی  
ہے جس نے ۵۰ سال پہلے گرم گرم ریت سے گذرتے ہوئے طوفان اور  
حوادث کی زریں ریتیں ہوئے منزل کی بے پناہ خواہشوں کے ساتھ  
اپنے خوشگوار سفر کا آغاز کیا تھا آج وہی وہ روز منزل شوق، کھلے آسمان  
تنتے اپنی زمین سے جبراً ہوا کھلی فضاؤں کی تازہ ہواؤں میں سانس  
لیتے ہوئے سرگرم سفر ہے۔ اس دور کے نوجوان شاعروں میں  
وقار ریاض کا نام ایک خاص امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے اپنے فن سے والہانہ  
و ابستگی رکھنے والا یہ ذہین و فطین شاعر اپنے روشن مستقبل کی ضمانت  
لے کر اُن شاعری پرنیزی کے ساتھ ابھر رہا ہے اس کے اشعار میں زندگی  
کی حرارت، جذبات کی صداقت، مشاہدات کی دلپذیری، احساس کی  
تازگی اور شعور کی بالیدگی تمام تر خوبیوں کے ساتھ رونق افروز ہے۔ اپنے  
جذبات، مشاہدات و واردات قلبی کی بھٹی میں جل کر جب کوئی شاعر  
تخلیقی سفر سے گذرتا ہے تو اس کی تخلیق دیر پا تاثر کی طرح دنیا و بیری  
شکل اختیار کر جاتی ہے وقار ریاض جیسے نہ جانے اور کتنے شاعر ہوں  
گے جو اپنے فن کے ذریعہ اپنی شناخت بناتے ہیں مصروف ہیں۔ ہر دور  
کی طرح آج کا دور بھی عصری تقاضوں کی تکمیل کے لیے سازگار ہے اور سازگار  
بھی نہیں۔ حالات نے ہر دور کے فن کار کو متاثر کیا ہے ہر فن کار اپنے  
دور کا نباض موندلیا ہے۔ وہی شاعر اپنی خصوصی پہچان کے ساتھ ادب میں

زندہ رہتا ہے جو حالات کی بے راہ روی اور نئی انجمنوں کا شکار ہوئے  
 بھی پامردی مستقل مزاجی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے میدان میں قدم جمائے  
 ہوئے رہتا ہے۔ مصلحت شناسی، تنگ نظری، موقع پرستی اور  
 کم نگاہی، قلم کی بے نیاز طاقت کو روک نہیں سکتی۔ فرط اس وقلم کی حرمت  
 کا خیال رکھنے والے تحقیق کار دامن شعر و ادب کو ہمیشہ ہکاتے رہیں گے۔  
 اپنے فن سے دیانت داری برتنے والے اہل فن اپنے مثبت کارہائے  
 نمایاں کے ساتھ پہچانے جائیں گے۔ وقار ریاض اپنے ہمعصر شاعروں میں  
 ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ان کے اشعار سے جہاں پھولوں کی شگفتگی کا  
 احساس ہوتا ہے وہیں تلخی، دوراں اور شرریارنگا ہوں کا عکس بھی جھلکتا  
 ہے۔ کلاس کی اقدار کا پاسدار، ترقی پسندی اور جدیدیت کے رجحانات  
 کا علمبردار، زندگی کے اُجالوں کا طرفدار، ٹھنڈی چھاؤں اور نیپے ہونے  
 صحراؤں میں اپنے قلم کی پیرویش کرنے والا یہ شاعر اپنے وجود کا ہمیشہ  
 احساس دلاتا رہے گا۔ وقار ریاض کی شاعری، دھوپ چھاؤں، ترقی  
 گرہی، سبک خراچی اور تیز گامی سے عبارت ہے جہاں ان کے اشعار سے  
 پھول برستے ہیں وہیں شعلوں کی برسات بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس  
 دور کے شاعروں کے ہاں موضوعات کی کمی نہیں ہے دیکھنا یہ ہے کہ  
 قلم کی کاٹ کیا شکل دکھاتی ہے اور وہ کن کن مرحلوں سے گذرتے ہوئے  
 اپنے اعلیٰ منصب کا حق ادا کرتا ہے۔ تہذیب و سائنس کی اور روایت  
 سے وقار ریاض کا رشتہ ٹوٹا ہے۔ ماضی کی اعلیٰ روایتوں کے طرفدار

ہوتے ہوئے شاعر نے حالات سے منہ نہیں موڑا۔ وقار ریاض کو  
 یوں نے کل ہند مشاعروں میں بھی سنا ہے محض ہر شعر کے بعد  
 بھی۔ ان کی شاعری دل کو چھو نے والی اور فکر و خیالی کی ترجمانی کرنے  
 والی شاعری ہے۔ ان کے پڑھنے کا انداز نہایت پُر اثر رہتا ہے  
 اچھے شعر کو اچھے انداز میں پیش کرنا یا کہاں شاعروں کا ایک بہترین وصف  
 سمجھا جاتا ہے یہ اعزاز وقار ریاض کو حاصل ہے۔ تخت میں کلام سناتے  
 ہیں اور کچھ اس طرح کہ ساری محفل سے داد و تحسین حاصل کر لیتے ہیں  
 وقار ریاض ان کا میاب شاعروں میں سے ایک ہیں جن کی شہرت  
 ادبی حلقوں میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ وقار ریاض نے ہر  
 صنف شاعری میں اچھے شعر کہے ہیں لیکن غزل میں ان کی شاعرانہ  
 صلاحیت کا اظہار کھل کر ہوا ہے۔ زندگی کے کون سے ایسے مسائل  
 ہیں جن کی غزل منہل نہ رہی ہو وقار ریاض کو نظم گوئی پر بھی دسترس  
 حاصل ہے دیگر اصنافِ سخن بھی اردو شاعری کا سرمایہ ہیں جن کی  
 عظمت اپنی جگہ برقرار ہے۔ ان کی بعض موضوعاتی نظمیں ادبی تاریخ  
 کا ایک حصہ بن کر زندہ رہیں گی مذہبی شاعری پورے عقیدت و احترام  
 کے ساتھ کہی گئی ہے۔ فن سے ان کی وابستگی نے پاک و صاف شعروں  
 کو ہموارے ہیں۔ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وقار ریاض  
 ایک ایسے شاعر ہیں جن کی تخلیقات ہر دور میں پڑھی جائیں گی۔  
 وقار ریاض تعلقہ ہمایاد کے ایک با اثر عظیم المرتبت قائد ان میں سے ایک  
 کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم محمد ریاض الدین ایک کامیاب تاجر تھے



جو پولیس ایکشن میں شہید ہوئے۔ ان کے دادا محمد علیم الدین مستظلم پولیس  
 تھے اور ان کے نانا بھی محمد ریڈر (جن کا کئی برسوں تک شعبہ درس و تدریس  
 سے واسطہ رہا۔ نامور شاعر علی الدین نوید ان کے حقیقی بڑے بھائی ہیں  
 ان کے دو اور بڑے بھائی ہیں محمد قیام الدین اور محمد مصلح الدین۔ صلاح الدین  
 بیٹر ان کے ماموں ہوتے ہیں۔ وقار ریاض کا وطن ثانی گلبرگ ہے۔ نامور  
 شاعر محب کوثر سے مشورہ نسخہ کرتے ہیں۔ اتھنائی شاہری کے زمانے میں انہیں  
 علی الدین نوید کی سرپرستی حاصل رہی۔ وقار ریاض کا مجموعہ کلام فلم لوٹنا ہے  
 ۱۹۹۶ء کرناٹک ایکڈمی کے رقی اتحاد سے شائع ہوا۔ وقار ریاض گلبرگ  
 کی ادبی انجمن قرونِ ادب کے دس سال سے صدر نشین ہیں حکمہ آرٹس کے اعلیٰ  
 عہدہ داروں نے ان کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں ایوارڈ اور توصیفی  
 سند سے نوازا۔ وقار ریاض گلبرگ بس ڈیو پریٹر افک کنٹرولر کی حیثیت  
 سے مامور ہیں۔ وقار ریاض ہندوستان کے کئی مقامات پر کل ہندو شاعر سے  
 پیڑھ چکے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو گلبرگ، حیدرآباد کے علاوہ کشمیر اور دلی  
 ریڈیو اسٹیشن سے ان کا کلام نشر ہو چکا ہے انہیں کوڈنگل میں منعقدہ  
 ایک ادبی تقریب میں سائبرڈل اور توہمینی سند دی گئی۔ دور درشن  
 بیٹگلور سے ان کا کلام ٹیلی کاسٹ ہوتا رہا ہے۔ گلبرگ کی تقریباً تمام  
 فعال انجمنوں سے ان کا تعلق ہے شاعرہ دکن (حیدرآباد) میں ۶ سال  
 تک یہ پابندی شرکت کرتے رہے۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام  
 منعقدہ سالانہ کل ہند نعتیہ شاعروں میں شرکت کیا کرتے ہیں۔ شکرچی

بمبوری سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ میں بھی کلام سنانا چکے ہیں ملک کے نامور  
 شاعروں کے ساتھ کلام سنانے کا انہیں اعزاز حاصل ہے اخیر سیارہ  
 اور ماہنامہ خوشبو کا سفر میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ حیدرآباد  
 کے فعال اداروں، ادارۃ میرا شہر میرے لوگ، ایوان پرنس سعظم جاہ  
 میں کلام سنانا چکے ہیں۔ اصلاح آندھرا پردیش کے مشاعروں میں خطبہ  
 کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔ حیدرآباد کی ایک فعال ادبی انجمن سوغات  
 نظر کے زیر اہتمام وقار ریاض کے فکر و فن کا جائزہ اجلاس رکھا گیا تھا  
 اس اجلاس کو شہر کے نامور دانشوروں نے مخاطب کیا تھا وقار ریاض  
 کی مشاعرہ صلاحیتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شعر و ادب کے اعلیٰ  
 منصب تک بہت جلد پہنچنے والے ہیں۔ ان کا مستقبل بہت  
 زیادہ روشن نظر آتا ہے۔ یقین ہے کہ ان کی شہرت میں  
 اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ  
 ہر اہم مشاعرہ کے لیے ناگزیر شاعر رہیں گے۔

# رحمانہ بیگم

(سمر زینِ علم و عرفان بیدار کا صلاحیت شاعرہ)

جنا لوگوں کو بھی فنون لطیفہ سے واقف دلچسپی اور دلچسپی رہتی ہے  
وہ لوگ نہ صرف بے حد حاسن ہونے میں بلکہ نازک سزا اور کٹھن  
مزاج بھی سوتے ہیں۔ اُن کی طبیعت میں جولانی تھا نہیں سزاوارتھی  
ہوتی ہے۔ اُن کا لب و لہجہ انداز گفتگو طرزِ حیات اور ان کا دل  
رکھاؤ اپنی مکمل پہچان کے ساتھ نمایاں رہتا ہے ان کے جذبات میں  
لے سافٹگی، مشابہت میں برفِ نکلی، تجربات میں تابندگی اور ان  
کے رویہ میں بے باوری کے ساتھ ساتھ برحسب بھی رہتی ہے اگرچہ  
سے فنون لطیفہ سے وابستگی رکھنے والے لوگوں میں شاعر ہوں تو ان  
کا بات چیت اور ان کی طرح داری بچہ بچہ ہوتی ہے۔ فنون لطیفہ سے  
مربوط ہر کام اور شخصیت میں اپنے اپنے اعلیٰ صلاحیتوں کا  
تعلق اور ان میں اظہار کرتے ہیں

بہترین فکر ایک چشمہ نور ہوتا ہے جس کی روشنی کائنات کے ذرہ ذرہ کو چمکاتی رہتی ہے اور ایک قلم کار جو اپنے فکر و خیال کی خوشبو سے باذوق سامعین و قارئین کے مشام جاں کو مسطر کرتا رہتا ہے وہ معاشرہ کا ایک اہم فرد سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کے پس منظر میں جب ہم صاحب کمال فن کاروں، باصلاحیت قلم کاروں اور ذہین و فطین تخلیق کاروں کے فن پاروں اور ان کی تخلیقی شاہکاروں سے مانوس ہو جاتے ہیں تو ذہین و فکر کے خوابدہ گوشوں میں ایک روشنی بکھیر پھیل جاتی ہے۔ یا شعور و باصلاحیت تخلیق کاروں کے فکر و فن کی روشنی نہ صرف سامعین و قارئین کے دل و دماغ کو ہی متور کر دیتی ہے بلکہ انسانی رشتوں کے نقدس کو سمجھنے کی بھی طاقت عطا کرتی ہے۔ فنون لطیفہ سے وابستہ بہت سے قلم کاروں میں ایک نیا اور انجی ہونا نام ریحانہ بیگم کا بھی ہے جو اپنے فکر و فن کے آئینوں کو اپنے مخصوص انداز میں جلو بخش رہی ہیں۔ ریحانہ بیگم جیسی، ہند، با شعور، شاعر اور پیر و قاری شاعرہ کا کلام حب میری نظر سے گزارا تو مجھے محسوس ہو کہ اس شاعرہ میں نہ صرف فکر و خیال کی ہی تابناکی پوری آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہے بلکہ ان کے کلام میں ان کے خیالات کی تازگی، جذبات کی شگفتگی، مشاہدات کی سچائی اور تجربات کی ہمہ رنگی بھی موجود ہے۔ اس تناظر میں نجیبیگی سے غور کرنے کے بعد ہی میں اس نینجہ پر پہونچا کہ اگر اس شاعرہ کے کلام کی مناسب انداز میں پذیرائی ہو تو اس کو

اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا پورا موقع مل جائے گا۔  
 ریحانہ بیگم میرے حقیقی بھائی کی بہو ضیہ سلطانہ کی نہ صرف بہترین  
 دوست ہیں بلکہ اُن کی ہم پیشہ بھی ہیں جو پیشہ درس و تدریس کے  
 مقدس شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

ریحانہ بیگم نے جب اپنی شاعری کا آغاز کیا ہو گا تو اُن کی شاعری  
 منظر عام پر آنے کے لئے بے چین رہی ہو گی۔ اُن کا کلام سن کر کسی خوشگوار  
 موقع پر ضیہ نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا کلام بعض اصلاح  
 مبرے پاس روانہ کریں۔ میں خط لکھ دوں گی اور تجھے یقین ہے کہ وہ  
 اپنی ادبی و صحافتی مصروفیات کے باوجود میری خواہش پوری کریں گے  
 چنانچہ مختلف اوقات میں ذریعہ ڈاک ریحانہ بیگم کا کلام مجھے تنگ  
 پہنچنے لگا۔ جب بھی مجھے فرصت ملتی ان کے کلام کو آدھا کھاتے رہا۔  
 اور بعد اصلاح نوٹا مارا۔ تقریباً ایک برس تک یہ سلسلہ جاری رہا  
 جب اصلاح شدہ کلام میں کچھ زیادہ اضافہ ہو گیا تو میں نے ریحانہ بیگم  
 کو مشورہ دیا کہ کہیں نہ آپ کے کلام کو جو مختلف اوراق کی شکل میں  
 موجود ہے کتابی شکل دی جائے۔ انہیں میرا مشورہ پسند آیا اور انہوں  
 نے فرط مسرت میں کتاب کی اشاعت کا تہیہ کر لیا۔ ریحانہ بیگم ایک  
 زود گوشت اعزہ ہیں۔ سیدھے سادے لفظوں میں دل کو چھوئے والے  
 شعر کہتی ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی رعنائیوں کے  
 ساتھ ساتھ معاشرہ کی تلخیوں کا بھی کھلے دل و دماغ سے خیر مقدم

کرتی ہیں ان کا تقریباً تمام کلام سہل ممتنع میں ہے زبان و بیان  
 پاک و صاف ہے لب و لہجہ سلجھا ہوا سہل اپنے دل کی بات سلیقہ  
 سے کہہ جاتی ہیں۔ ان کی باتوں میں جذبات کا اظہار پیر اثر انداز میں  
 ملتا ہے ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں مشرقی  
 علوم و فنون سے گہری دلچسپی ہے۔ ادبی و ثقافتی، تہذیبی و فلاحی  
 دینی و اخلاقی تحریکوں سے بھی وہ دلچسپی رکھتی ہیں کثرت مطالعہ نے  
 انہیں فکر کو کچھ زیادہ ہی نکھارا ہے۔ خاص طبعیت نے انہیں سادگی  
 کے ساتھ ساتھ پُر کاری اور سلیقہ سے ہم کنار کیا ہے۔ یہی انہیں بیگم کو  
 جس قدر خوشیوں کے لمحات عزیز ہیں اتنی ہی قدر انہیں اپنے آسودہ دل  
 کی بھی ہے انہیں ضبطِ غم کا بڑا سلیقہ حاصل ہے تاہم کلام کے بہ غائر  
 مطالعہ سے قارئین کو اس بات کا بھی اندازہ ہو گا کہ شاعرہ اپنے درد و  
 غم کی دولت کو معاشرہ کے ہر اُس فرد میں تقسیم کرنا چاہتی ہیں جو انسانی  
 حسرتوں اور تہذیبی اقدار کی پاسداری کرتا ہو۔ شاعرہ کی آنکھوں میں  
 آنسو بھی ہیں لیکن ان کی آخری حد بلکوں کے کناروں تک محدود ہے وہ  
 اپنے درد و غم کے انبار کے لئے اشکوں کو ذریعہ بنانا انہیں چاہتیں۔  
 بسا اوقات جب افسو جگنوین کرینکوں پر جگمگانے لگتے ہیں تو معاشرہ  
 کے سنائے ہوئے لوگوں کے دامن بھر جاتے ہیں ایک اچھے تخلیق کار  
 کا یہ بھی وصف ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخلیقی سرمائے کو تہذیبی رشتوں  
 کی آبیاری کے لئے منترک کرتا ہے منفرد قلم کا کادلی آئینہ کی طرح

ایک وصفاء ہو تا ہے جس میں حاشہ کے خد وخال صاف نظر آتے ہیں  
 ریحانہ بیگم نے ایک باشعور شاعرہ کی حیثیت سے ادبی دنیا میں  
 قدم رکھا ہے۔ ان کا کلام یقیناً قارئین کے لئے تسکینِ ذوق کا  
 باعث بنے گا۔ میں نے پوری ذمہ داری اور دلچسپی کے ساتھ اس مجموعہ  
 کلام ”پہلی کرن“ کی اشاعت میں دیکھی لی ہے۔ ایک تو اس خیال سے  
 کہ ریحانہ بیگم میری بہو کی وساطت سے متعارف ہوئی ہیں دوسری وجہ  
 یہ ہے کہ ریحانہ بیگم مجھ سے مشورہ سخن کرتی ہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہے  
 کہ ریحانہ بیگم کا مجموعہ کلام ”پہلی کرن“ شائع ہو رہا ہے۔ ہر قلمکار  
 جب پہلی کتاب شائع ہوتی ہے تو اس کی مسرت کی انتہا نہیں ہوتی۔  
 میں ایسی ہی مسرت ریحانہ بیگم میں محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ریحانہ  
 بیگم کا یہ ادبی و شعری سفر موکم نکلنے کی پہلی خوشبو کی طرح جاری رہے گا۔

# پروفیسر جگن ناتھ آزاد

(مہر اقبالیات، عالمی شہرت یافتہ ممتاز شاعر و ادیب)

علم کی دولت سے مالک دو جہاں جب کسی شخص کو مالا مال کرنا چاہے  
 ہے تو دولتِ علم اس کے گھر میں از خود رکھ آتی ہے اس کے ذہن و فکر کا کوئی  
 ایک گوشہ بھی ایسا نہیں رہتا جو منور و ہلکا ہوا نہ ہو۔ اس کے ذہن رسا  
 اور اس کے فہم و ادراک کا ہر حصہ تازہ روشنی اور تازہ ہوا کا خیر مقدم کرتا ہے  
 ایسے لوگ جو کتنے علمی، وجدان و عرفان کو سرچشمہ، نور و نکہت سمجھتے ہیں  
 وہ علم و عرفان کے ہر مسئلہ اور ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی طاقت رکھتے ہیں  
 ذی علم و ذی شعور لوگ، علم و ادب کی نکھری نکھری زندگی سے کچھ اس طرح  
 وابستہ ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ فکر و فن، شعر و حکمت اور  
 علم و آگہی کے خیر اغوں کو روشن رکھنے میں مصروف رہتا ہے زبان، علم  
 ادب سے ایک فرد کی شخصی میراث نہیں ہے کوئی بھی علم کیوں نہ ہو وہ  
 محدود اور ہیں محصور نہیں رہتا بلکہ اس کی کریمیں ایسی ایسی جگہ بھی پہنچ جاتی



ہیں جہاں تک پہنچنے کے لئے ایک عمر گزارنی پڑتی ہے ایسے ہی لوگ قابلِ پرستش اور پوجے جانے کے قابل ہوتے ہیں معاشرہ میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں ویسے ہی علمی و ادبی خدمات کا رعب و دبہ معاشرہ پر کچھ اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ شائقِ شخصیتیں ہر دور میں ہر مرکزِ علم و ادب کا چمراغ بنی رہتی ہیں۔ اردو زبان و ادب کے محترم خدمت گزاروں میں سے لاتعداد صاحبانِ علم و عرفان نے اپنی بھرپور خدمات سے فیوض و برکات کا دریا بہا دیا ہے اس طرح کے اعلیٰ مرتبت شخصیتیں ہر زمانے میں رہی ہیں اور روشنی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ عصرِ حاضر میں بھی کچھ ایسی بہکال شخصیتیں موجود ہیں جو نوزین کر اعلیٰ خدمات انجام دے رہی ہیں اردو زبان کسی ایک قوم یا کسا ایک خاص فرقہ کی زبان نہیں ہے اس لیے کہ یہ زبان ایک مشترکہ زبان ہے جذباتِ معاشرہ کی تہذیب یافتہ و یادگار زبان ہے کوئی ایک قوم بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اردو زبان صرف اُسی ایک قوم کی زبان ہے عام طور پر ہندوستان میں اردو زبان مسلمانوں کی مادرِ زبان سمجھی جاتی ہے اور ہے بھی۔ لیکن بہت سے غیر مسلم لوگوں کی مادرِ زبان بھی اردو ہے اور وہ اردو زبان کو اپنی مادرِ زبان کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان و ادب کی جتنی خدمت مسلم ظلم کاروں نے دانشوروں نے کی ہے اتنی ہی خدمت غیر مسلم دانشوروں اور ظلم کاروں نے بھی کی ہے اور آج بھی ایسے غیر مسلم ظلم کار موجود ہیں جو قابلِ رشک حد تک اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں

اس وقت ہندوستان بلکہ اردو دنیا میں سب سے بڑا نام پروفیسر جگن  
 کا بھی ہے جو ماہر اقبالیات کی حیثیت سے ساری دنیا میں شہرت  
 رکھتے ہیں۔ سچ بھی یہی ہے کہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنی علمی سرگرمیوں  
 میں سب سے زیادہ وقت اقبال شناسی کے لیے دیا ہے پروفیسر جگن  
 آزاد نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں بلکہ صفِ اول کے محقق  
 ہیں زائد ازیں ۶۰ برس سے اردو زبان و ادب کی خدمت کرنے میں دیو  
 دار مصروف ہیں ان کی کتابوں کی بہت بڑی فہرست ہے تمام اردو  
 حلقے ان کی کتابوں سے واقف ہیں بہت کم ایسے شاعر و ادیب ا  
 دور میں موجود ہیں جنہوں نے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے برابر اپنا  
 لکھی ہوں پروفیسر جگن ناتھ مصنف ہیں ہیں مولف بھی اور ان کے قلم و  
 پیر بھی کچھ کتابیں دامانِ زبان و ادب کو ہمارا ہی ہیں۔ پروفیسر جگن  
 آزاد سے میرے شخصی مراسم ہیں ان سے میری پہلی ملاقات اردو ہا  
 آج سے ۳۵ برس پہلے ہوئی تھی وہ اُن دنوں حکمرانِ اطلاعات کی جانب  
 منصفہ کل ہند مشاعرہ میں شرکت کے لیے حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ اس  
 مشاعرہ میں اس دور کے تمام نامور شاعروں نے شرکت کی تھی مجاہدِ آزادی  
 لکھنؤ بابو جی وزیرِ اطلاعات تھے اردو ہندی کے نامور شاعر کنول پرشاد کنو  
 شاعر کے کنوئیہ تھے۔ میں نے پہلی دفعہ فراق گورکھپوری کو اسی مشاعرہ میں د  
 تھا۔ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں ہندوستان و پاکستان کے تقریباً تمام  
 ادبی رسائل میں یہ کلام شائع ہوتا تھا۔ رسائل کے ذریعہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد

میرے نام سے واقف تھے۔ جب اُن سے اردو ہال میں پہلی ملاقات ہوئی تو مجھ سے کہنے لگے کہ ”میں تو یہ سمجھا تھا کہ صلاح الدین شیر کوئی سمیرا شاعر ہوگا؟“ آپ تو جو ان سال شاعر ہیں۔ ”اُس زمانے میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد جید آباد کی شعری و ادبی محفلوں میں بہت زیادہ شرکت کرتے تھے ڈاکٹر سید محی الدین قادری رور کی دعوت پر حیدر آباد کے بہت سے شاعروں اور علمی و ادبی جلسوں میں انھوں نے شرکت کی۔ مولوی جمیب الرحمن، عابد علی خان صاحب اور ڈاکٹر حسینی شاہد کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے انجمن ترقی اردو کی بیشتر ادبی تقاریب میں شرکت کیا کرتے تھے جب بھی وہ حیدر آباد آتے میری اُن سے ملاقات ہو ہی جاتی تھی خاص طور پر مشاعرہ میں لازماً ملاقات رہتی۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد اپنے مخصوص ترنم میں کلام سنا کر محفل شعروادب پر چھا جاتے ہیں۔ اُن کے ترنم میں ایک خوشگوار دل کو چھپونے والی کیفیت ہوتی ہے ترنم میں ایک خاص قسم کی گونج ہوتی ہے جو سماعت کے لیے فرحت بخش ہوتی ہے پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے بے شمار نظمیں بھی کہی ہیں جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں، بے شمار اپوار ڈراماں کر چکے ہیں ہر دور میں ہر حکومت کی اعلیٰ سطح کی اردو سیمینول سے وابستہ رہے، اب بھی ہیں۔ اس وقت انجمن ترقی اردو کے صدر منتخب ہیں تمام اردو دنیا میں اپنی عالمانہ شاعرانہ حیثیت کی وجہ سے صفِ اوّل کے فلم کاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں اردو کے مراکز ہیں وہاں تاکہ ان کی رسائی ہو چکی ہے وہاں کئی ادبی محفلوں میں شرکت کر چکے ہیں قیام پاکستان سے قبل دو پاکستان میں تھے اپنی بیدار نشی سرزمین سے انہیں بے حد لگاؤ ہے وہ

وہ متحدہ ہندوستان کے قابل احترام شہری ہیں۔ جتنی عزت ان کی ہندوستان میں کی جاتی ہے اتنی ہی پاکستان میں بھی کی جانی ہے نہایت مخلص، سادہ مزاج، علم دوست ہیں کئی برسوں سے ہم دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ ادھر خوشبو کا سفر کی اشاعت کے بعد سے کچھ زیادہ ہی خط و کتابت ہو رہی ہے خوشبو کا سفر میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا کلام خصوصی مودت کے ساتھ شائع ہوا کرتا ہے جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے دوستانہ و برادرانہ مراسم رہے آزاد صاحب ادبی ٹرسٹ کے کئی مشورے میں مددور ہے ان کا کلام سیاست میں شائع ہوتا رہتا ہے اسے حیدرآباد کے اکثر علمی و ادبی جلسوں میں مدعو کیے جاتے ہیں شہر کی جامعات میں بھی مختلف مواقع پر مددور ہے ہیں مختلف علمی و ادبی انجمنوں سے وابستہ ہیں پروفیسر صاحب جب بھی حیدرآباد آتے ہیں تو ان سے ملاقات ہوتی ہے اگر شخصی ملاقات ممکن نہ ہو تو فون پر گفتگو ہوتی ہے گزشتہ بار جب وہ حیدرآباد آئے تو اپنی بہت سی کتابیں لے کر میرے گھر پہنچے۔ کتابیں حوالے کرنے ہوئے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری تمام کتابیں آپ کے پاس رہیں۔ ادھر ۲، ۳ برس میں کچھ اور نئی کتابیں پروفیسر صاحب کے فن اور شخصیت پر شائع ہوئی ہیں وہ کتابیں بھی انہوں نے ازراہ ادب نوازی روانہ کی ہے پروفیسر صاحب زائد از ۸۰ برس کے ہو گئے ہیں اس عمر میں بھی ان کے علمی و ادبی کام جاری ہیں۔ انہیں علمی و ادبی تقاریر میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے انہیں ہندوستان و پاکستان کے مشہوروں میں مدعو کیا جاتا ہے پروفیسر آزاد کی امداد و خدمات اس قابل ہیں کہ وہ ہر دور میں

باد رکھی جائیں گی۔ حیدر آباد کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ انہوں نے حیدر آباد میں  
 منعقدہ ایسے شمار ادبی جلسوں اور شعروں میں شرکت کی۔ سن ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ  
 پروفیسر جگن ناتھ آزاد یوم قلی قطب شاہ تقاریب میں مدعو تھے اس تقریب کے  
 سلسلے میں شہر کے مختلف کانٹس میں بیت باری کے مقابلے رکھے گئے تھے میں یوم قلی  
 قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں منعقدہ بیت بازی کا کنوینئر تھا بیت بازی  
 کا فائیل مقابلہ محمد قلی قطب شاہ کی ٹیم کے اندر ہوا تھا اس فائنل مقابلہ میں وہیمینس  
 کالج کی ٹیم نے بھی حصہ لیا تھا وہیمینس کالج کی ٹیم نے صدر بزم اردو فاطمہ نسرتین کی  
 سرپرستی میں شرکت کی تھا پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنے ایک شعر سے مقابلہ بیت  
 بازی کا آغاز کیا تھا۔ انعامات کی تقسیم اختتامی تقریب میں عمل میں آئی۔ ڈاکٹر زور سے  
 آزاد صاحب کے بہت ہی قریبی روابط تھے آزاد صاحب کے والد محترم تملوک چند محوم  
 اردو کے نامور قومی شاعر تھے جب ابھی وہ حیدر آباد آئے ڈاکٹر زور کے ہی مہمان  
 رہتے تھے تملوک چند محوم جیسے عظیم شاعر سے میری پہلی ملاقات ایوان اردو میں ہوئی  
 تھی۔ پروفیسر آزاد جموں یونیورسٹی کے پروفیسر رہ چکے ہیں رہا ٹرمنٹ کے بعد  
 بھی وہ جموں یونیورسٹی کے پروفیسر زکواریب میں رہتے ہیں پروفیسر آزاد جی ہمہ پہلو  
 شخصیت ہیں بیرون میں پیدا ہوئی ہیں۔ پروفیسر آزاد بھی ان غیر مسلم محبین اردو  
 میں سے ایک ہیں جن کا نام ہر دور میں سنہری حروف سے روشن رہا ہے گا۔

# کاوش بدری

(قلندر صفت، کہنہ مشفق استاد شاعر، نامور ادیب)

اگر جذبہ غلامی اور جذبہ رفاقت میں صداقت ہو تو وہ لوگ جو نظروں سے دور ہیں جن سے یہ سول ملاقات نہیں ہوتی، سینکڑوں میل دور رہتے ہیں اُن کی دوری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ چاہئے اور چاہیے جانے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہزاروں میل دور رہنے والے بھی اپنے ساتھ رہتے ہیں اپنے ساتھ ہا چلتے پھرتے ہیں اپنے ساتھ ہی اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم سے گفتگو کر رہے ہیں۔ ہمارے رویہ وہ ہیں۔ ہم سے قریب تر ہیں۔ احساسات و توانا ہوں تو فاصلے خود بخود محسوس ہاتے ہیں اس طرح کے لوگ جو یادوں کا اہم حصہ بنے رہتے ہیں وہ دل سے دور نہیں رہتے اگرچہ وہ نظروں سے دور رہتے ہیں ظاہر ایک وسیلہ ہے جو فاصلوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی قبیل کے رنگ و نور میں رحمت ادیب شاعر کاوش بدری بھی ہیں جنہوں نے انجیلے نوت، دوستی، میااری اور اعلیٰ شاعری کے سبب مجھے اپنے دائرہ خلوص میں سمیٹ لیا۔ ہے مجھے اُن کی محبت بھرنے نہیں دیتی

کاوش بددی نہایت پر خلوص، محبت شناس، بے انتہا ٹوٹ کر محبت کرنے والے انسان ہیں۔ ان کی دوستی کا معیار، بلند و بالا ہے۔ ان کی فکر اعلیٰ و ارفع ہے ان کا طرزِ حیات بے ساختگی کا اعلیٰ نمونہ ہے بہت زیادہ پڑھے لکھے آدمی ہیں اسی لیے دنیا کی نعمتوں و راحتوں سے بے نیاز ہیں صبر و شکیں کی جیتی جاگتی علامت ہیں ہر حال میں خوش رہنے والے انسان ہیں۔ توکل ان کی طبیعت کا خاصہ ہے خود اعتمادی ان کا اصلی جوہر ہے دوستی کے معاملات ہوں کہ شعر و ادب کی باتیں ہوں۔ پاک و ہاف ذہن و فکر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دوستی نبھانے کا سلیقہ آتا ہے۔ بہترین شعر کہنے کی ان میں صلاحیت موجود ہے۔ کاوش بددی جنوبی ہند (مدرسہ) کے مشاہیر اردو میں سے ایک ہیں جن کے ذکر کے بغیر افسانہ کے شاعروں، ادیبوں کی محفل میں ادھوری کبھی جاتی ہیں۔ خاص طور پر لباس کی ہر سیاری ادبی مجالس میں کاوش بددی کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کاوش بددی کا تجربہ علمی قابلِ رشک ہے اپنی ساری زندگی علمی و ادبی شعری و تہذیبی مصروفیات کی نذر کر چکے ہیں علوم و فنون کے تقرباً ہر شعبہ میں ان کی صلاحیتوں کو خراجِ پیش کیا جاتا ہے۔ ان کی قلندرانہ صفت ان کا شاعر کی بھی پوری طرح جھلکتی ہے کاوش صاحب بے نیازانہ فکر و آگہی کے منظر ہیں۔ ان کے علم و فن کے چراغ ان کے ذہن کی روشنی اور دل کی پیر نور کیفیات سے پوری آب و تاب کے ساتھ جل رہے ہیں۔ کاوش بددی کو تمام اردو دنیا نہ صرف جانتی ہے بلکہ ان کے علم و فضل اور ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں کھل کر ان کے فکر و خیال کی پاسداری کی جاتی ہے۔

کاوش بدری روشن دماغ شاعر کی طرح اس طرح کے شعر تخلیق کرتے ہیں کہ وہ شاہکار بن جاتے ہیں۔ کلاسیک شعری ادب سے گہری وابستگی اور تہذیبی اقدار سے مضبوط رشتے رکھنے کی وجہ سے ان کی شاعرانہ آں بان باقی ہے ایسا نہیں ہے کہ ان کے کلام میں ترقی پسندانہ خیالات کی عکاسی نہیں ملتی۔ بلکہ وہ عصر حاضر کی شاعری کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ شعر و ادب سے ان کے اٹوٹ رشتہ نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو اتھارنے میں غیر معمولی کام کیا ہے ان کی شاعری کی بنیاد میں کلاسیکل شاعری کی خوشبو ہے۔ وہ مرکزیت کے قائل ہیں۔ وہ کلاسیکل شعری ادب کی پاسداری کرتے ہوئے ترقی پسندانہ خیالات اور جدید رجحانات کے بھی قدر شناس بھی ہیں۔ کاوش بدری ایک علمی و ادبی آدمی ہیں اردو دنیا کے تقویت یافتہ اہم اردو سے ان کے مراسم ہیں ان کی شاعری اور ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر ادبی لوگ ان کے ہم نشین بن گئے ہیں وہ ٹاٹلنا ڈو کے ہیئت دور علاقہ میں سکونت پذیر ہیں لیکن انہیں ساری ادبی دنیا کی خیر رہتی ہے رسائل اور کتابوں کے سبب۔ نامور قلم کاروں سے ان کی خط و کتابت کی وجہ سے بھی انہیں اردو کے بہت سے مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کا موقع ملتا رہتا ہے ہندوستان و پاکستان کے معیار کا رسائل میں ان کا کلام، ان کی تحریریں شائع ہوتی ہیں پاکستان کے اہل قلم حضرات و خواہن بھی ان کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہیں۔ ادبی رسائل کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علمی و ادبی مرد دنیا میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ فن عروض سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ زمرہ شاعری میں صرف ایک عالم کی حیثیت سے ہی نہیں، ناقد و مہر و محقق کی حیثیت



سے ہی نہیں ایک بہترین شاعر کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں شہرت رکھتے  
 ہیں ماہنامہ شبِ خون میں ان کا کلام سب سے زیادہ شائع ہوتا رہا ہے  
 ان کی غزلیں ان کے روشن فکر و خیال کی آئینہ دار ہوتی ہیں ہر شعر قابل  
 توجہ و قابلِ مطالعہ ہوتا ہے ان کی بعض غزلوں کے اشعار انتہائی معیاری و  
 اعلیٰ ہوتے ہیں زبان و بیانی پر انہیں قدرت حاصل ہے کثرتِ مطالعہ نے  
 کاوش بدری کو کندن بنادیا ہے شعر و ادب کے ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی  
 صلاحیت رکھتے ہیں ملک کے نئی علمی و ادبی ادارے اور شخصیتیں ان کی ماہرانہ  
 صلاحیتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ کاوش بدری ۳۱ فروری ۱۹۲۸ء  
 کو آمبور (ضلع شمالی ارکاٹ) ٹائل ناڈو میں پیدا ہوئے۔ مدرس یونیورسٹی  
 سے بی اے کی ڈگری لی۔ ان کے مضامین اردو، فارسی اور تاریخ اسلام تھے۔  
 افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق، آغا ہدایت اللہ مشوسنزی، مولانا شاکر ناظمی،  
 علامہ صبغتہ اللہ بخاری، مولانا ابوالجلال ندوی، مولانا رحیم احمد فاروقی اور  
 مولانا محمد یوسف کوکن اور دوسرے علماء سے انہوں نے علمی فیوض حاصل کیے  
 شامل ان کی مادری زبان ہے لیکن اردو پر قدرت حاصل کر کے وہ اس زبان کے  
 کامیاب نثر نگار اور مخزنِ محوشتِ عربینے۔ ان کی زندگی کا بیڑا حصہ مدرس  
 یونیورسٹی لائبریری میں گزرا جہاں ان کا واسطہ کتب رسائل اور اہل قلم و علم سے  
 رہا۔ بعد کو مدرس کے ایک انجینئر تنگ کالج کے دفتر میں بہ حیثیت پیریڈکٹسٹ  
 ان کا تبادلہ ہو گیا۔ یہیں سے ۱۹۸۷ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے  
 ان کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں (۱) مثنوی فیملہ نامہ (۱۹۶۵ء) نثر و نثری (۱۹۶۲ء)

کاویج (طویل نظم) ۶۱۹-۶۲۰ (۲) قطب مدراس۔ ۷۰۰ کلاسیکی غزلوں کا  
دیوان کن فیکون اور ایک مجموعہ شعری ہشت بہشت، جلد ہی شائع  
ہونے والا ہے۔ کل ہند انجمن ترقی پسند معین کے قدم رکھیں۔ ایسا وہ  
صدر ہیں۔ گرجا جو بیٹ ہونے کے بعد ہی ان کی ادبی و صحافتی دلچسپیاں شروع  
ہوئیں۔ ۶۱۹۵۱ میں فنکار کے نام سے ایک ماہنامہ مدراس سے جاری کیا  
۱۹۵۳ میں منزل کے نام سے ایک ماہنامہ نکالا۔ کاوش بدری سے میری پہلی  
طلاقات مدراس کے ایک کل ہند مشاعرہ میں ہوئی تھی جو آج سے تقریباً ۴۰ برس  
پہلے مدراس کے ایک نامور ڈاکٹر عزیز تمنائی نے میڈیکل کالج کی رقی اعانت  
کے لیے کیا تھا۔ اس مشاعرہ میں ملک کے مقبول ترین شاعر، سکند علی صاحب  
کیفی، آغلی، ساحر لدھیانوی، جہاں نثار اختر، اور علی سردار جعفری نے بھی شرکت  
کی تھی۔ میزبان مشاعرے کی حقیقت سے کاوش بدری نے بھی کلام سنایا تھا۔ غالباً اس  
مشاعرہ میں عزیز تمنائی اور دانش فزازی نے بھی کلام سنایا تھا۔ اس مشاعرہ میں  
حیدر آباد سے میں اور ناصر کرنولی مدعو تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ ناصر کرنولی سے میری  
پہلی طلاقات اسی مشاعرہ میں ہوئی تھی۔ کاوش بدری سے پہلے کبھی خط و کتابت نہیں  
رہی۔ البتہ جب کہ وہ حیدر آباد آئے تو عابد علی خان صاحب، جگر صاحب سے  
طلاقات کے لیے اپنا خط آسنے لگے اور اسی غزلیں اشاعت کے لیے جگر  
صاحب کے حوالے کرتے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے منشی قاضی کے استاد  
حضرت مولانا گیلپی کے وہ مرید ہیں تو ان سے میری قربت میں کچھ اضافہ ہوا۔  
بعض دفعہ میں ان کے ساتھ اپنے استاد مولانا گیلپی سے ملاقات کے لیے ان کے

دولت خانہ واقع اٹھاپورہ جا بیا کرتا تھا۔ کاوش بدری سے حیدر آباد کے بعض  
 مشاعروں میں بھی ملاقات ہوتی رہی۔ میں نے انہیں شہر کے بعض کل ہند  
 مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی تھی جب میں کل ہند مجلس انصار المسلمین  
 کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعرہ کا منعقد تھا تو ایک مشاعرہ میں میں نے استفیاء  
 کمیٹی کی منظوری کے بعد کاوش بدری کو مدعو کیا تھا۔ کاوش بدری شکرچی میموریل  
 سوسائٹی کے مشاعرہ میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ میں نے انہیں مشاعرہ دکن میں  
 بھی مدعو کیا تھا۔ کاوش بدری کے حیدرہ آباد میں اوج بیغوی، علی احمد جلیلی، خیرات  
 ندیم اور شاہ تمکنت قریمبی دو سنوں میں سے ہے۔ حیدر آباد کی علی و ادبی قضا  
 سے وہ بے حد متاثر ہیں وہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح  
 حیدر آباد کا بھی سفر کریں۔ مولانا غلامی کے والد محترم کے عرس شریف کی تقریب  
 میں وہ ہر سال یہ پابندی شرکت کرتے ہیں جب بھی حیدرہ آباد آتے ہیں تو کچھ  
 وقت میرے ساتھ بھی گزارتے ہیں۔ ان دنوں سیاست میں اشتاعت کے  
 لیے ان کا کلام حاصل کیا جاتا ہے آل انڈیا ریڈیو حیدرہ آباد میں ان کا کلام ریکارڈ  
 کیا جاتا ہے ان دنوں شہر میں کوئی مشاعرہ ہو تو وہ شرکت کرتے ہیں کاوش  
 بدری صاحب کے کئی شاگرد ہیں لیکن وہ اپنے شاگردوں کا نام بتانے سے گریز  
 کرتے ہیں۔ کاوش بدری سے ان کے کلام کے ذریعہ اکثر ملاقات ہو جاتی ہے اور  
 ان سے غائبانہ ملاقات کا وسیلہ ان کا وہ کلام ہے جو ادبی رسالوں کی زینت بن رہا یا  
 کرتا ہے۔ کاوش بدری تقریباً ۵۰ برس سے شری و ادبی محفلوں سے وابستہ ہیں  
 انہوں نے بے شمار مشاعرے پڑھے ہیں بے شمار ادبی جلسوں میں شرکت کی۔

